تین ننّھے سُراغ رساں

ملنگی بابا کی تلاش میں

تین ننھے سُراغ رساں

ملنگی بابا کی تلاش میں

سلیم احمد صدیقی

فیروز سنز پرائیویٹ لمیٹڈ

پہلی بار　　۱۹۷۸

تعداد　　۴۰۰۰

قیمت　　۴روپے

ملنگی بابا

”کھڑڑ کھڑڑ کھڑڑڑڑ۔۔۔۔۔ گھڑی ی ی ی تک بھپٹ!“

”ملنگی بابا آرہا ہے!“عنبر چلّایا۔

”ہاں۔“ خالہ نے جواب دیا۔ دراصل ملنگی بابا کی ۱۹۲۰ءماڈل کار کی خوف ناک آوازوں کو پہچاننے میں کوئی غَلَطی کر ہی نہیں سکتا تھا۔ عنبر اور خالہ اس وقت لان ٹھیک ٹھاک کرنے میں مصروف تھے اور کریم انٹر پرائز ابھی ابھی کھُلی تھی۔ عنبر کے خالُو دُکان میں بیٹھے جمائیاں لینے میں

مصروف تھے۔

ملنگی بابا کی کار وحشت ناک شور غُل کے ساتھ آگے بڑھتی رہی اور ایک خطرناک کھڑاک کی آواز کے ساتھ کریم انٹرپرائز کے عین سامنے آکر رُک گئی۔

ملنگی بابا قصبہ شاداب نگر کا ایک عجیب وغریب آدمی تھا اور شاداب نگر کا بچّہ بچّہ اُسے جانتا تھا۔ اس کے سر پر لمبے لمبے بال سادھوؤں کی طرح گُدّی پر جھولتے رہتے تھے اور بوڑھا ہونے کے باعث تقریباً تمام سفید ہو چکے تھے۔ وہ ہمیشہ ننگے پاؤں رہتا، اور اس کا سارا جسم ایک لمبے سے چُغے میں ڈھکا رہتا تھا۔ نہ جانے اُس چُغے کے پیچھے وہ کوئی قمیص شلوار بھی پہنتا تھا یا نہیں۔ جب تیز ہوا چلتی تو اس کے لمبے لمبے بال اور سفید لمبا چُغّہ ہوا میں اس طرح پھڑ پھڑاتا جیسے کوئی بہت بڑا کبوتر اپنے پَر پھڑ پھڑاتا چلا آرہا ہے۔

وہ عموماً جمعرات کی جمعرات ۱۹۲۰ءماڈل کی کار میں اپنے گھر سے شاداب نگر کے میں بازار تک آتا اور ہفتہ بھر کی ضروریات کی چیزیں لے کر واپس

چلا جاتا۔ اس کے بعد وہ پورا ایک ہفتہ شہر کے بازاروں میں نظر نہ آتا۔ وہ مٹّی چینی کے برتن، گملے، پھُول دان بناتا تھا اور اپنے فن کا بہت ماہر تھا۔

عنبر کی خالہ کو اس کی دو چیزوں سے بہت چِڑ تھی۔ ایک تو اس کے ننگے پاؤں، دوسری اس کی خوف ناک آوازوں والی کار اور تیسرے مِٹّی چینی کے بنے ہوئے وہ تمغے جو ہمیشہ اس کے گلے میں لگے رہتے تھے۔ اُن تمغوں پہ ایک بڑا ہی خوب صورت شاہین بنا ہوا تھا، لیکن اس کے دو سر تھے۔ ایک دائیں طرف اور دوسرا بائیں طرف۔ عنبر کی خانہ کو اُس کے دو سروں پر اعتراض تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ شاہین کا صرف ایک سر ہونا چاہیے۔

ملنگی بابا کا اصل نام کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ بس سب اُسے ملنگی ہی کہتے تھے۔ وہ ایک طویل عرصے سے شاداب نگر میں رہ رہا تھا۔ کم از کم عنبر نے ہمیشہ اُسے یہیں دیکھا تھا۔ اُسے یہاں رہتے ہوئے اتنے دِن ہو گئے تھے کہ عنبر کے خالو بھی اس کے آنے کا اصل وقت بھُول چکے تھے۔ بہر حال، اب ملنگی بابا شاداب نگر کا ایک ایسا حصّہ بن چکا تھا کہ اس کے بغیر اس قصبے

کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا تھا اور یوں بھی کون سا ایسا گھر ہو گا جس میں ملنگی بابا کے ہاتھ کا بنا ہوا مِٹّی چینی کا کوئی گُل دان یا کوئی برتن موجود نہ ہو۔

ملنگی بابا کار میں سے نکل کر سیدھا کریم انٹر پرائز کے اندر داخل ہو گیا۔ عنبر کام چھوڑ کر حیرت سے اُس بابا کو دیکھے جا رہا تھا۔ اس لیے نہیں کہ اس نے ملنگی بابا کو پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ یہ بات نہ تھی۔ وہ ایک دوسرے کو پہلے سے جانتے تھے۔ بات یہ تھی کہ آج ملنگی بابا اس انداز سے دُکان کے اندر داخل ہوا تھا جیسے وہ جلدی میں ہے اور جلد از جلد کچھ چیزیں خرید کر واپس جانا چاہتا ہے۔

"خالہ جان، آپ کی اجازت ہو تو میں دُکان میں جا کر خالُو جان کی کچھ مدد کروں؟" عنبر نے کہا۔

"ہاں ہاں۔" خالہ نے کہا۔ "تم خالُو کی مدد کر سکتے ہو۔ لیکن آج دوپہر تک ان کا باقی کام ضرور نمٹا دینا۔"

"ضرور۔" یہ کہتا ہوا عنبر لان میں لگے ہوئے نل کی طرف بڑھا اور ہاتھ

دھو کے، رومال سے پونچھتا ہوا دُکان میں داخل ہو گیا۔

اُس نے یہ سارا کام اتنی تیزی سے کیا تھا کہ اس کے دُکان میں داخل ہونے تک اس کے خالُو اور ملنگی بابا نے صرف سلام دعا ہی کی تھی۔

"بھئی کریم صاحب، میں کہتا ہوں کہ یہ کیسی تصویریں آپ نے لٹکا رکھی ہیں؟" ملنگی بابا نے کاؤنٹر کے پیچھے لٹکے ہوئے فریم میں لگی ہوئی تصویروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ملنگی بابا۔" خالُو نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "آپ نے یہ تصویریں پہلے نہیں دیکھیں؟ یہ تو ایک ماہ سے یہاں لٹکی ہوئی ہیں۔"

"نہیں، میں دُکان کے اندر آتا ہی کب ہوں۔ اس دروازے پر سے سلام دُعا ہو جاتی ہے، ذرا دکھانا تو۔"

"یہ لیجیے۔" خالُو نے تصویروں کا فریم دیوار سے اُتار کر ملنگی بابا کو دے دیا۔

یہ تصویریں ماہنامہ ”شادابِ وطن“ کے پچھلے ماہ کے شمارے میں شاداب نگر کے قصبے پر شائع ہونے والے مضمون میں سے کاٹی گئی تھیں۔ یہ مضمون شاداب نگر کی ترقی کے بارے میں لکھا گیا تھا اور اس میں یہاں کے مختلف اداروں اور لوگوں کی تصاویر تھیں۔ ایک تصویر کریم انٹر پرائز کی بھی تھی جس میں کاؤنٹر پر کریم صاحب کھڑے مسکرا رہے تھے اور عنبر اُنہیں الماری میں سے ایک گُل دال نکال کر دے رہا تھا۔ ایک تصویر ملنگی بابا کی بھی تھی جس میں وہ ٹوکری ہاتھ میں لٹکائے سودا سلف خرید کر گھر جا رہا تھا۔ ایک تصویر شاداب ہوٹل اینڈ ریستوران کی تھی جو قصبے کے بڑے اچھے ہوٹلوں میں شمار ہوتا تھا۔ مگر ملنگی بابا کی نظریں اپنی تصویر پر جمی ہوئی تھیں جس میں وہ ہاتھ میں ٹوکری لٹکائے سودا خرید کر گھر جا رہا تھا۔ اس کے سفید بال اور سفید چُغہ ہوا میں لہرا رہے تھے اور گلے میں لٹکا ہوا دو سروں والے شاہین کا تمغہ بھی ہوا کے زور سے ایک طرف کو جھکا ہوا تھا۔ تصویر بہُت صاف تھی۔

”یہ تصویر کیسے چھپ گئی؟“ ملنگی بابا نے پوچھا۔ ”میرا مطلب ہے یہ تصویر آپ نے کہاں سے لی؟“

”ماہنامہ شادابِ وطن کے پہلے شمارے سے۔“ کریم صاحب نے بتایا۔ ”اس میں شاداب نگر پر مضمون چھپا تھا۔“

”حیرت ہے!“ ملنگی بابا نے کہا۔ ”میں نے تو کسی فوٹو گرافر سے تصویر نہیں اُتروائی!“

”اجی یہ اخبار رسالوں والے بڑے حضرت ہوتے ہیں۔“ کریم صاحب نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”لوگوں کو پتا بھی نہیں چلنے دیتے اور اُنہیں کیمرے کے پنجرے میں قید کر لیتے ہیں؟“

”ہوں۔۔۔ہاں۔۔۔۔ بہر حال، یہ لیجیے۔“ ملنگی بابا نے چند لمحے سوچ میں ڈوبے رہنے کے بعد تصویروں والا فریم واپس دیتے ہوئے کہا۔ وہ تصویریں دیکھنے میں اتنا محو تھا کہ اُسے یہ پتا ہی نہ چلا کہ عنبر کب سے اُس کے پاس کھڑا ہوا ہے۔ یکایک اُسے عنبر کی موجودگی کا احساس ہوا اور وہ

اُس کی طرف مُڑتے ہوئے بولا ''آخّاہ! عنبر میاں! ٹھیک تو ہو؟''

''جی ہاں۔'' عنبر نے کہا۔

''میں آج کچھ سودا خریدنے آیا ہوں۔'' ملنگی بابا نے کہا۔ ''اور تُم اس سلسلے میں میری کافی مدد کر سکتے ہو۔''

''مم۔۔۔ میں؟'' عنبر تھُوک نگلتے ہوئے بولا۔ ''فرمایئے، میں آپ کی کیا مدد کر سکتا ہوں؟''

''وہ۔۔۔۔ دراصل میرے کچھ مہمان آنے والے ہیں!'' ملنگی بابا نے رُک رُک کر کہا جیسے کوئی بم پھٹنے والا ہو۔

''مہمان؟'' کریم صاحب اور عنبر ایک ساتھ چیخے ''سچ؟''

دراصل آج تک کوئی مہمان ملنگی بابا کے ہاں نہیں آیا تھا۔ وہ اپنے گھر میں اکیلا رہتا تھا، بالکل اکیلا۔ اور گھر ہی کے ایک حصّے میں اس نے اپنا کارخانہ لگا رکھا تھا۔

"ہاں، سچ۔" ملنگی بابا نے ان دونوں کی حیرت سے لُطف اٹھاتے ہوئے کہا۔ "اور مہمانوں کے آنے کے باعث مجھے یہ خیال آیا کہ میرا گھر ضرورت سے زیادہ خالی ہے۔ ننگا بُوچا۔۔۔ مطلب سمجھ رہے ہیں نا آپ لوگ؟ نہ کوئی بستر، نہ کُرسیاں۔ اب مہمان آئیں گے تو بیٹھیں گے کہاں؟ سوئیں گے کس چیز پر؟"

"جی ہاں، یہ تو ہے۔" عنبر نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

"تو فرمایئے، کیا کیا چاہیئے آپ کو؟" کریم صاحب نے کہا۔ "آپ تو جانتے ہی ہیں کہ ہمارے ہاں ضرورت کی ہر نئی اور پرانی چیز مل جاتی ہے۔"

"مجھے۔۔۔۔ مجھے۔۔۔ ایک دو مسہریاں چاہئیں۔" ملنگی بابا نے کہا۔ "اور کچھ فرنیچر۔"

"عنبر، انہیں فرنیچر روم میں لے جاؤ۔" خالو کریم نے کہا۔

فرنیچر روم میں پہنچ کر عنبر نے ملنگی بابا کو بتایا "ادھر اِس جانب تمام نئی

چیزیں ہیں، اور اُدھر تمام پرانی چیزیں۔ لیکن وہ پرانی چیزیں بھی ہم نے بالکل نئی بنا دی ہیں۔ فرمائیے، کون سی۔۔۔۔۔" اس کا فقرہ درمیان ہی میں رہ گیا۔ ملنگی بابا ایک پرانی مسہری کو دیکھ رہا تھا جس کا سرہانہ بہت بڑا تھا اور آج کل ایسے سرہانوں کا رواج نہ تھا۔

"یہ مسہری کیسی ہے میاں؟" اُس نے عنبر کی طرف مُڑتے ہوئے کہا۔

"ویسے تو اچھی بھلی ہے، مضبوط ہے، مگر پُرانی بہت ہے۔" عنبر نے سچ سچ کہا۔

"ہم کون سے نئے ہیں۔" ملنگی بابا نے کہا۔ "بس یہ مسہری ٹھیک رہے گی۔ اب باقی رہ گئی دوسری مسہری۔ دوسری مسہری پر تمہاری عمر کا ایک لڑکا سوئے گا۔ اب تم یہ بتاؤ کہ تم اپنے لیے کس طرح کی مسہری پسند کرو گے؟"

"میں؟" عنبر نے کہا۔ "نئی میں سے بناؤں یا پرانی میں سے؟"

"بھئی، میں نے تمہاری پسند پوچھی ہے۔" ملنگی بابا نے کہا۔ "نئی ہو یا پرانی۔ تُم کون سی مسہری پسند کرو گے؟"

"یہ۔" عنبر نے ایک نئی خوبصورت مسہری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا ڈیزائن بالکل نیا ہے اور اس کے سرہانے کی طرف درازیں بھی لگی ہوئی ہیں۔ اگر وہ لڑکا کتابیں پڑھنے کا شوقین ہے تو ان میں اپنی کتابیں رکھ سکتا ہے۔"

"ہوں، ٹھیک!" ملنگی بابا نے کہا۔ "کتابیں پڑھتا ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ وہ اپنے شوق کی دوسری چیزیں رکھ سکتا ہے، مثلاً ٹکٹوں کے البم، تصاویر، یا جو کچھ بھی وہ جمع کرتا ہو۔"

"ہاں، ہر لڑکا کچھ نہ کچھ مشغلہ رکھتا ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اور ہر لڑکا کچھ نہ کچھ جمع کرتا ہے۔"

"اچھا بھئی، مسہریاں تو ہو گئیں۔ اب دو تین کرسیاں بھی ہو جائیں۔ وہ بھی تم اپنی پسند سے رکھ دینا۔ اور ایک عدد وہ کیا کہتے ہیں اسے۔۔۔ ہاں۔۔۔

ٹیلے وژن۔ وہ بے شک پرانا ہی مل جائے تو ٹھیک ہے۔ میرے مہمان ٹیلے وژن دیکھنا بھی پسند کریں گے شاہد۔ سُنا ہے آج کل ہر آدمی ٹیلے وژن دیکھتا ہے۔"

"ٹیلے وژن آپ کو نیا ہی لینا چاہیئے۔ پرانے ٹیلے وژن کی کوئی گارنٹی نہیں کہ چلے، نہ چلے۔"

"اچھا چلو، ہو نہی سہی۔" ملنگی بابا نے واپس جاتے ہوئے کہا۔ "اب ذرا کریم سے اِن کی قیمت وغیرہ طے کر لیں۔"

فرنیچر رُوم سے نکل کر وہ کاؤنٹر پر آ گئے۔ قیمت طے کرنے کے بعد ملنگی بابا نے اپنے چُغے کی جیب سے نقد رقم نکال کر فوراً ادا کر دی اور بولا۔ "کریم صاحب آپ کو زحمت تو ہو گی لیکن۔۔۔۔۔"

"آپ فکر نہ کریں ملنگی بابا۔" خالو کریم نے کہا۔ "یہ سارا سامان ابھی ایک گھنٹے کے اندر اندر آپ کے ہاں پہنچا دیا جائے گا۔ میں ابھی اس کا بندوبست کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ مُڑے اور نوکر کو بُلا کر ہدایات دینے لگے۔

اُسی لمحے ایک نئی شیورلیٹ کار دُکان کے سامنے آکر رُکی جس میں ایک لمبا سا ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے عنبر کو اشارے سے بلایا۔ عنبر دُکان سے نیچے اُترا تو اُس کے پیچھے پیچھے ملنگی بابا بھی آہستہ آہستہ اُترنے لگا۔

"جی جناب!" عنبر نے باادب لہجے میں پوچھا۔ "فرمایئے، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟"

"دراصل ہمیں ٹاپ ہاؤس جانا تھا، لیکن ہم شاید راستہ بھول گئے ہیں۔ اگر تم راستا بتادو تو۔۔۔۔"

"ضرور، جناب۔" عنبر نے خوش اخلاقی سے کہا۔ "آپ واپس جا کر دوسرے چوراہے پر دائیں طرف کو مُڑ جائیں۔ اس کے بعد پہلے چوک پر بائیں طرف۔ وہ سڑک سیدھی پہاڑی کے اوپر جاتی ہے۔ اس پر ملنگی بابا کا ڈیرا آئے گا، جس کے باہر مٹّی چینی کے بنے ہوئے دو بڑے بڑے گُل دان رکھے ہوئے ہیں۔ اس ڈیرے سے آگے خاصی اونچائی پر جا کہ ٹاپ

ہاؤس ہے۔"

"شکریہ، بہت بہت شکریہ!" ادھیڑ عمر کے لمبے آدمی نے کہا اور واپس کار میں جا بیٹھا۔ عنبر نے دیکھا کہ کار میں ایک اور آدمی بھی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا اور اس نے آج تک اتنا موٹا آدمی نہیں دیکھا تھا! وہ بالکل گنجا تھا اور بھنویں بھی غائب تھیں۔۔۔۔ عجیب سا شخص تھا! نہ جانے بوڑھا تھا یا جوان! اُس کی داڑھی مونچھیں صاف تھیں، اس لیے عنبر اس کی عمر کا کچھ اندازہ نہ کر سکا۔

موٹے تازے آدمی کی نظریں عنبر اور اُس کے پیچھے کھڑے ہوئے ملنگی بابا پر جمی ہوئی تھیں اور لمبا ڈرائیور کسی اجنبی زبان میں اس کو شاید راستہ سمجھا رہا تھا۔ پھر ہلکی سی گھرر کی آواز کے ساتھ کار سٹارٹ ہو گئی۔ عنبر دُکان کی طرف مُڑا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ملنگی بابا نے ایک ہاتھ سے سر کو پکڑ رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ سے گلے میں لٹکے ہوئے تمغوں کو ہلا رہا ہے۔

”میاں عنبر! ذرا ایک گلاس پانی تو لادو۔“ ملنگی بابا نے تھکے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ ”میرا سر چکرا رہا ہے۔“ عنبر دوڑا دوڑا دُکان میں گیا اور کولر میں سے ٹھنڈے پانی کا ایک گلاس بھر کے واپس سڑک پر آیا تو ملنگی بابا غائب ہو چکا تھا!

۱۹۲۰ء ماڈل کی کار اسی طرح سڑک پر کھڑی تھی لیکن ملنگی بابا کا کہیں نام نشان تک نہ تھا!!

لمبا اور موٹا

عنبر نے ملنگی بابا کے پاؤں کے نشانات دیکھنا شروع کیے۔ یہ نشانات کچھ
دُور تک تو سڑک کے کنارے کچّے راستے پر چلتے گئے اور اس کے بعد غائب
ہو گئے۔ ہو سکتا ہے اِس کے بعد وہ پکّی سڑک پر چلا ہو یا اُس نے کوئی ٹیکسی
لے لی ہو۔ مگر اُس کے پاس تو اپنی کار تھی، جو کریم انٹر پرائز کے سامنے
کھڑی ہوئی تھی۔ کار میں سودا سلف کی ٹوکری بھی موجود تھی۔

"کہاں چلا گیا، ملنگی بابا؟" خالو کریم نے عنبر سے پوچھا۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں؟“ عنبر نے کہا۔ ”میں تو دُکان سے ٹھنڈا پانی لینے آیا تھا۔“

”لیکن وہ کہاں غائب ہو گیا! کیسے غائب ہو گیا؟“ خالُو نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

”وہاں تک تو اُن کے قدموں کے نشانات ملتے ہیں۔“ عنبر نے اُنگلی سے بائیں طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”البتّہ اس کے بعد وہ یا تو پکّی سڑک پر چلے گئے یا انہیں کسی نے اغوا کر لیا!“

”اغوا؟“ خالُو نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”تمہارے خیال میں ملنگی بابا کو کوئی اغوا کر سکتا ہے؟“

”نہیں، کم از کم شاداب نگر میں تو نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں تو یوں ہی کہہ رہا تھا کہ اگر وہ کہیں گئے نہیں تو پھر اُنہیں کسی نے اغوا کر لیا ہو گا۔ آخر وہ کہیں جاتے تو اپنی کار کو یہاں کیوں چھوڑ جاتے؟“

”ہاں۔“ خالُو نے کہا۔ ”اور اُن کے مہمان بھی تو آنے والے تھے۔“

”جی ہاں، میں یہی سوچ رہا ہوں کہ ان کے مہمانوں کا کیا ہو گا!“

”تم ایک دو کام کرو۔ ایک تو ٹوکری کا سامان نکال کر اپنی خالہ کو دے دو، تاکہ ملنگی باب کے آنے پر اُن کا سامان اُنہیں مل جائے اور دوسرا کام یہ کرو کہ ذرا ملنگی بابا کے گھر تک ہو آؤ۔ بے چارے مہمان وہاں پہنچیں گے اور گھر کو خالی پائیں گے تو کیا سوچیں گے!“

عنبر خود ملنگی بابا کے گھر جانا چاہتا تھا کہ وہاں سے شاید اُس کی گُمشدگی کے بارے میں کچھ معلومات حاصل ہو جائیں۔ اب کہ خالُو نے خود یہ بات کہی تو وہ خُوشی سے بولا۔ ”میں ابھی سامان خالہ کے حوالے کر کے ملنگی بابا کے ڈیرے پر جاتا ہوں۔“

وہ تیز تیز سائیکل چلاتا ہوا دائیں سمت کو ہو لیا۔ دوسرے چوک پر جا کے وہ دائیں طرف اور اس سے اگلے چوک پر جا کر بائیں جانب مُڑ گیا اور چند منٹ بعد ملنگی بابا کے ڈیرے کے پاس پہنچ گیا۔ یہ ڈیرا چڑھائی پر تھا اور

یہاں تک پہنچتے پہنچتے عنبر کا سانس پھول گیا تھا۔ وہ لمبے لمبے سانس لیتا ہوا سائیکل سے اُترا اور ڈیرے کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ بڑا محتاط تھا۔ اُس نے اندر جانے سے پہلے چاروں طرف دُور دُور تک نظر دوڑالی تھی۔ ڈیرے سے آگے خاصی اونچائی پر ٹاپ ہاؤس تھا جو یہاں سے نظر نہیں آرہا تھا لیکن اُس کے ایک کمرے کے آگے بنا ہوا چھجّا نظر آرہا تھا۔ اس چھجے پر کوئی کھڑا تھا۔ نہ جانے یہ لمبا شخص تھا یا موٹا شخص جس کا سر اور بھنویں مُنڈی ہوئی تھیں! نیچے کُچھ دُور، ساحل کی طرف، ایک پرانی سی کار کھڑی تھی۔ شاید کوئی منچلا سمندر کے کنارے بیٹھا مچھلیاں پکڑ رہا ہو گا۔ عنبر نے سوچا۔

ڈیرے کے باہر لوہے کے کواڑ تھے، جس طرح بعض کوٹھیوں کے لان کے باہر لگے ہوتے ہیں۔ اُنہیں کھول کر عنبر اندر داخل ہوا۔ لان بڑا خوب صورت تھا اور اس کی بیچوں بیچ ایک پتلا سا راستہ مکان تک جا رہا تھا۔ اس راستے کے دونوں جانب چینی مٹّی کے بنے ہوئے لمبے لمبے گُلدان رکھے

ہوئے تھے۔ یہ گُلدان اتنے لمبے تھے کہ قد میں عنبر کے کندھوں کے برابر آرہے تھے! بعض پر رنگ برنگ تصویریں بنی ہوئی تھیں اور بعض پر دو سروں والا شاہین۔ معلوم ہوتا تھا کہ ملنگی بابا کر دو سروں والا شاہین ضرورت زیادہ ہی پسند تھا۔

اس سجے ہوئے راستے پر سے گزر کر عنبر مکان کے اصل دروازے پر پہنچا اور ہلکے سے دستک دی۔ دروازے میں تالا لگا ہوا نہ تھا، اس کا مطلب تھا کہ ملنگی بابا کو اندر موجود ہونا چاہیے۔

عنبر نے چند لمحے جواب کا انتظار کیا اور اس کے بعد دوبارہ دستک دی۔ ساتھ ہی پکارا بھی۔ "ملنگی بابا! ملنگی بابا!" کوئی جواب نہ پا کر اُس نے کواڑ کو ہلکے سے کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ سوچا، ہو سکتا ہے، ملنگی بابا برتن بنانے لگا ہو اور اُس نے میری آواز نہ سُنی ہو۔

یہی باتیں سوچتا ہوا وہ کمرے میں داخل ہو گیا۔ ایک لمبا سا کمرہ تھا اور اُس کی دیواروں کے ساتھ الماریاں لگی ہوئی تھیں۔ یہ سب کی سب مٹّی چینی

کے برتنوں اور دوسری چیزوں سے بھری ہوئی تھیں۔ اور اندر آتی ہوئی دِن کی روشنی میں اُن کا روغن چمک رہا تھا۔

"ملنگی بابا! ملنگی بابا!!" عنبر نے پھر آوازیں دیں لیکن اُسے کوئی جواب نہ ملا۔

اچانک عنبر کے ذہن میں ایک خیال آیا۔ ملنگی بابا نے کہا تھا کہ اُس کا سر ذرا چکرا رہا ہے۔ ہو سکتا ہے وہ کوئی ٹیکسی لے کر سیدھا گھر آیا ہو اور بستر پر آرام کرنے کے لیے لیٹ گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ وہ کسی کمرے میں بے ہوش پڑا ہو!

اس خیال کے آتے ہی وہ بجلی کی سی تیزی سے ایک کمرے میں گیا، پھر دوسرے میں مگر دونوں کمرے خالی تھے۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہیے کہ اچانک باورچی خانے کی طرف سے کھٹکے کی آواز آئی۔ وہ چوکنّا ہو گیا۔ ملنگی بابا شاید باورچی خانے میں ہے! وہ سیدھا باورچی خانے کی طرف دوڑا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ ابھی وہ اس

بات پر غور کر ہی رہا تھا کہ وہ کھٹکے کی آواز کیسے پیدا ہوئی، کہ اچانک اس کی کمر پر ایک لات اتنے زور سے پڑی کہ وہ اوندھے منہ فرش پر ِگر پڑا اور اُس کی آنکھوں کے سامنے تارے ناچنے لگے۔

عنبر کی سمجھ میں نہ آرہا تھا کہ اچانک یہ سب کچھ ہو کیا گیا؟ اُس نے اُٹھنے کی کوشش کی لیکن لڑکھڑا کر ِگر پڑا۔ اس کا سر چکرا رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اُسے کچھ نظر آنا شروع ہوا تو وہ ہمّت کر کے اُٹھا اور پہلے والے کمرے کی طرف چلا۔

لیکن اِس سے پہلے کہ وہ باہر لان میں جاتا کسی نے کمرے کا دروازہ باہر سے کھٹ اک سے بند کر دیا اور پھر اس میں تالا لگا دیا۔ اس کے بعد اسے کسی کے تیز تیز چلنے کی آواز آئی۔ وہ واپس باورچی خانے کی طرف بھاگا کہ وہاں کھڑکی میں سے یہ دیکھ سکے کہ یہ حرکتیں کرنے والا شخص آخر کون تھا۔ مگر جب اُس نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا تو وہ شخص ڈیرے کا گیٹ پھلانگ کر غائب ہو چکا تھا!

عنبر واپس دروازے کے پاس آیا اور چابی کے سوراخ میں سے جھانک کر دیکھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا، چابی تالے کے سوراخ ہی میں چھوڑ گیا تھا!

ملنگی بابا کے رشتے دار

عنبر کے لیے مکان سے نکلنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ باورچی خانے کی ایک کھڑکی لان کے ایک حصّے میں کھلتی تھی اور وہاں سے کود کر وہ بڑی آسانی سے لان میں جا سکتا تھا لیکن جب وہ کھڑکی کے پاس پہنچا تو یہ دیکھ کر اسے اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی ہوئی محسوس ہونے لگیں کہ لان کے گیٹ میں سے ایک خاتون اور ایک لڑکا اندر آ رہے تھے، یہ شاید ملنگی بابا کے مہمان تھے!!

عنبر کو ایسے کٹھن حالات کا سامنا شاید اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ وہ ایک آدمی کے گھر کے اندر موجود تھا، باہر تالا لگا ہوا تھا اور اب گھر کے اندر مہمان آنے والے تھے۔ وہ اُسے کیا سمجھیں گے۔۔۔۔؟ سوچ کر اُس کے کان سائیں سائیں کرنے لگے

"نانا ابّا! نانا ابّا! ہم آ گئے ہیں!" لڑکے نے لان میں سے ہی ہانک لگائی۔

عنبر کے لیے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ حالات کا بہادری کے ساتھ مُقابلہ کرے۔ اُس نے کھڑکی میں سے جھانکا اور کہا۔ "السّلام علیکم!"

خاتون اور لڑکا حیرت سے اُسے دیکھنے لگے۔ عنبر نے کھڑکی میں سے چھلانگ لگائی اور باورچی خانے سے لان میں آ گیا۔ وہ دونوں حیرت سے اُسے تکے جا رہے تھے!

"مجھے کسی۔۔۔ کسی نے اندر بند کر دیا تھا۔" عنبر آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھا۔ پھر اُس نے چابی گھمائی اور کواڑ کھول دیے۔ "دراصل گھر کھلا ہوا تھا۔ میں ملنگی بابا سے ملنے آیا، لیکن کسی نے مجھے اندر بند کر دیا!"

عنبر یہ کہتا ہوا مکان کے اندر داخل ہو گیا۔

وہ عورت اور اس کا لڑکا بھی اس کے پیچھے پیچھے آنکھیں پھاڑے اندر آ گئے۔ اندر پہنچ کر خاتون نے اپنا اٹیچی کیس اور لڑکے نے اپنا بڑا سا بیگ نیچے فرش پر رکھ دیا۔

"آپ۔۔۔ آپ ملنگی بابا کے مہمان ہیں؟ وہ آج صُبح ہی آپ کا ذکر کر رہے تھے۔" عنبر نے کہا۔

"ملنگی بابا؟ ہم کسی ملنگی بابا کو نہیں جانتے۔ ہم تو اپنے نانا ابّا سے ملنے آئے ہیں۔" لڑکے نے کہا۔ "مگر نانا ابّا کہاں ہیں اور تم کون ہو؟"

"میرا نام عنبر ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اور تم شاید۔ شاید ملنگی بابا کے نواسے ہو۔"

خاتون کے حواس کچھ بحال ہو گئے تھے۔ اُس نے کہا۔ "یہ تم کیا ملنگی بابا، ملنگی بابا کی رٹ لگائے جا رہے ہو، یہ ملنگی بابا کون ہے؟"

عنبر نے حیرت سے کہا۔ ”کیا ملنگی بابا آپ کے والد اور اس لڑکے کے نانا ہیں؟“

خاتون نے اپنی عینک کے شیشے رومال سے صاف کر کے اسے دوبارہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”کیا تمھیں کوئی اعتراض ہے اس بات پر؟“

عنبر اور کھسیانا سا ہو گیا اور کہنے لگا ”نن۔۔۔ نہیں۔ میرا مطلب ہے، مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ البتّہ ملنگی بابا کا آج صُبح سے کچھ پتا نہیں۔ صُبح ہی میری اُن سے ملاقات ہوئی تھی۔ لیکن پھر وہ اچانک غائب ہو گئے!“

”ہُوں۔“ عورت اب کچھ غصّے میں آ گئی تھی۔ ”وہ غائب ہو گئے اور تم ان کے مکان میں بُری نیّت سے داخل ہو گئے۔ اظہر! فوراً پولیس کو بلاؤ!“

”گھر سے نکل کر بائیں طرف جانا۔ تھوڑی دیر بعد ایک پٹرول پمپ آئے گا۔ وہاں سے تم پولیس کو فون کر سکتے ہو۔“ عنبر نے بڑے اطمینان سے کہا۔

”امّی!“ اظہر نے کہا۔ ”آپ جا کے فون کر دیں میں اس لڑکے پر نظر رکھتا ہوں۔“

”مجھ پر نظر رکھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ عنبر نے مُسکرا کر کہا۔ ”میں کہیں نہیں بھاگوں گا۔ اور اگر آپ ملنگی بابا کے رشتے دار ہیں تو آپ سے مجھے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ملنگی بابا مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔“

اظہر کی امّی کوئی جواب دیے بغیر باہر چلی گئیں۔ وہ تیز تیز قدم اُٹھا رہی تھیں۔

”تو گویا ملنگی بابا تمہارے نانا ہیں؟ کمال ہے، بھئی!“ عنبر نے اظہر سے کہا۔

”کیوں، اس میں کمال کی کیا بات ہے؟ ہر بچّے کا کوئی نہ کوئی نانا ہوتا ہے۔“ اظہر نے کہا۔

”ہوتا ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”ہر بچّے کا نانا ضرور ہوتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر آدمی کا کوئی نواسہ بھی ہو۔ تم شاید میرا مطلب نہیں سمجھو گے،

کیوں کہ تم ملنگی بابا کو نہیں جانتے۔ وہ ذرا سر پھرے سے، میرا مطلب ذرا عجیب سے آدمی ہیں۔"

"کیوں؟ کیا عجیب پن ہے اُن میں؟" اظہر نے کہا۔ "وہ ایک بڑے اچھے فن کار ہیں، اور فن کار عام قسم کے آدمیوں سے ذرا الگ ہی ہوتا ہے۔"

عنبر نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر ملنگی بابا کی بیٹی اور نواسہ موجود تھے تو اُس نے کبھی اِن کے بارے میں کسی سے ذکر کیوں نہیں کیا؟ جہاں تک عنبر کو یاد تھا، اُس نے کبھی کسی مہمان کو ملنگی بابا کے ہاں آتے نہ دیکھا تھا۔ عنبر نے کیا پورے شاداب نگر کو پتا تھا کہ سالہا سال سے نہ تو ملنگی بابا کہیں گیا ہے اور نہ کوئی اُس سے ملنے آیا ہے۔ یہ خاتون اور لڑکا کون ہیں جو اپنے آپ کو ملنگی بابا کی بیٹی اور نواسا بتا رہے ہیں؟ جہاں تک خاتون کی عُمر کا تعلّق تھا تو وہ ملنگی بابا کی بیٹی ہو سکتی تھی، لیکن کیا کوئی باپ اتنے لیے عرصے تک اپنی بیٹی سے ملے بغیر رہ سکتا ہے؟ یا کوئی بیٹی اپنے باپ سے ملے بغیر۔۔۔

عنبر کے خیالات کا سِلسِلہ ایک جھٹکے سے اُس وقت ٹوٹ گیا جب خاتون نے واپس آتے ہوئے کہا۔ ”پولیس بس آتی ہی ہے۔ اب تمہیں بتانا ہی پڑے گا کہ تم یہاں کیا کر رہے تھے۔ سمجھے، مسٹر۔۔۔۔؟“

”عنبر“عنبر نے جلدی سے کہا۔

”مجھے تمہارے نام سے کوئی غرض نہیں، چاہے عنبر ہو یا مُشک یا لوبان۔ میں تمہاری اس پُراسرار حرکت کی وجہ جاننا چاہتی ہوں۔“

”میں ساری وجہ بڑی تفصیل سے ایک مرتبہ پھر آپ کو سنا دوں گا بیگم۔۔۔“عنبر نے اٹک کر کہا۔

”تم مجھے بیگم سعید کہہ سکتے ہو۔“ خاتون نے رُکھائی سے کہا۔

اُسی لمحے پولیس کی ایک جیپ ملنگی بابا کے ڈیرے کے باہر آ کر رُکی اور اُس میں سے دو کانسٹیبل نکلے کر مکان کے اندر داخل ہوئے۔ یہ دونوں اتّفاق سے عنبر کو اس وقت سے جانتے تھے جب اس نے زمرّد خان کے سبز

بھُوت کا سُراغ لگایا تھا۔ عنبر اُنہیں آتے دیکھ کر مُسکرانے لگا۔

بیگم سعید نے کانسٹیبلوں کو بتایا کہ جب وہ کراچی سے شاداب نگر اپنے باپ سے ملنے کے لیے آئیں تو یہ لڑکا مکان کے باورچی خانے میں موجود تھا اور اُن کو دیکھ کر کھڑکی میں سے باہر آیا۔

"میں کہتی ہوں آپ اس لڑکے کی تلاشی لیں۔" بیگم سعید نے سپاہیوں سے کہا۔ اِس کے پاس ضرور میرے باپ کی کوئی نہ کوئی چیز ہو گی جسے چُرانے کے لیے مکان کے اندر داخل۔۔۔۔"

ایک کانسٹیبل نے بیگم سعید کا فقرہ درمیان میں کاٹتے ہوئے کہا۔ "محترمہ، کیا آپ کے پاس اس بات کا کوئی ثبوت ہے کہ آپ واقعی ملنگی بابا کی صاحب زادی ہیں؟"

"اگر آپ لوگ انہیں ملنگی بابا ہی کہتے ہیں، تو چلیے یہی سہی۔ وہ میرے باپ ہیں۔" بیگم سعید نے کہا۔ "لیکن کیا شاداب نگر آنے والا ہر شخص اپنا پیدائش کا سرٹیفکیٹ ساتھ لے کر آتا ہے تاکہ وہ ثابت کر سکے کہ وہ کس

کی اولاد ہے؟"

"یہ بات تو نہیں۔" کانسٹیبل لاجواب سا ہو گیا۔

"میں نے آپ کو اس لیے بلایا ہے کہ آپ اس چور سے۔۔۔۔" بیگم سعید نے عنبر کی طرف اُنگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

دوسرے کانسٹیبل نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "محترمہ عنبر میاں اور جو کُچھ ہوں سو ہوں، وہ چور بالکل نہیں۔" اس کے بعد وہ عنبر کی طرف مڑا اور بولا۔ "کیوں جناب، جب یہ لوگ یہاں آئے تو آپ کیا کر رہے تھے۔ یہ سارا چکّر آخر کیا ہے؟"

"کیا میں شروع سے شروع کروں؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہاں، ہمارے پاس وقت کی کوئی کمی نہیں۔ آپ پوری تفصیل سے سارا قصّہ سُنائیں۔"

عنبر نے تمام قصّہ کہہ سُنایا کس طرح ملنگی بابا صُبح سودا سلف خریدنے کے

بعد کریم انٹر پرائز آئے۔ کس طرح اُنھوں نے آنے والے دو مہمانوں کے لیے فرنیچر خریدا، اُس کی ادائیگی کی اور سامان ڈیرے پر بھجوانے کو کہا۔ کس طرح دو آدمیوں نے عنبر سے ٹاپ ہاؤس کا راستہ پوچھا، کس طرح ملنگی بابا کا سر چکرایا۔ اُنھوں نے عنبر سے پانی مانگا اور جب وہ ٹھنڈے پانی کا گلاس لے کر آیا تو وہ غائب ہو چکے تھے!

"مجھے خالُو نے کہا تھا کہ میں ڈیرے پر آکر ملنگی بابا کا پتا کروں۔" عنبر نے قصّہ ختم کرتے ہوئے کہا۔ "جب میں یہاں آیا تو دروازہ کھلا تھا۔ میں اندر چلا گیا۔۔۔ باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی کسی نے میری کمر پر اِس زور سے لات ماری کہ میں مُنہ کے بل فرش پر گِر پڑا اور جب میں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور یہ دیکھنے کی کوشش کی کہ وہ کون تھا تو وہ شخص باہر تالا لگا کر بھاگ چکا تھا۔ اس کے بعد بیگم سعید اور اظہر آ گئے۔ اُنھوں نے مجھے باورچی خانے کی کھڑکی میں سے جھانکتے ہوئے دیکھا اور چور سمجھ بیٹھے۔"

ایک کانسٹیبل یہ تمام باتیں کاغذ پر لکھتا رہا تھا۔ اس نے کاغذ تہہ کر کے

جیب میں رکھا اور عنبر سے کہا۔ ”آخر وہ شخص کس لیے یہاں آیا تھا؟ کیا اس نے کچھ چُرایا ہے؟“

”یہ دیکھنے کا مجھے موقع ہی نہیں ملا۔ میرا خیال ہے کہ اس نے یقیناً کچھ نہ کچھ چھپایا ہو گا، یا چُرانے کی کوشش کی ہو گی۔ ہمیں کمروں کا جائزہ لینا چاہیے!“

”آپ لوگ یہیں ٹھہریں۔ ہم کمروں کا جائزہ لے کر آتے ہیں۔“ ایک کانسٹیبل نے بیگم سعید سے کہا۔

”کیا میں بھی آپ کے ساتھ آ سکتا ہوں؟“ عنبر نے پوچھا۔ ”نہیں آپ مہمانوں کے پاس رہیں۔“

سپاہیوں کے جانے کے بعد بیگم سعید نے پھُوٹ پھُوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ وہ شاید کافی دیر سے ضبط کیے بیٹھی تھیں۔ اظہر نے اُن کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور پیار سے بولا۔ ”امّی، امّی۔ آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

بیگم سعید نے اپنے پرس میں سے رومال نکالا اور آنسو پونچھنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔ ”مجھے کیا پتا تھا کہ میں کراچی سے شاداب نگر صرف اس لیے آئی تھی کہ میرے ابّا پُراسرار طور پر غائب ہو جائیں اور پولیس اُلٹا مجھے یہ ثابت کرنے کے لیے کہے کہ میں اُن کی بیٹی ہوں۔“

عنبر نے بیگم سعید کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ ”آپ فکر نہ کریں۔ اب آپ سے پولیس ثبوت نہیں مانگے گی۔ اور ہاں، گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

اتنے میں کانسٹیبل تلاشی لے کر آ گئے۔ ”ملنگی بابا کے ایک ایک کمرے کی تلاشی لی گئی ہے، جس میں اُن کے کُچھ کاغذات رکھے ہوئے تھے۔ وہاں میز کی درازیں اُلٹ پلٹ پڑی ہیں اور کاغذات کمرے میں اِدھر اُدھر بکھرے ہوئے ہیں۔ ہمیں اُنگلیوں کے نشانات کے ماہر کو بُلانا ہو گا تا کہ چور کی انگلیوں کے نشانات محفوظ کر لیے جائیں۔“ ایک کانسٹیبل نے کہا۔

”وہ کُچھ لے تو نہیں گیا؟“ عنبر نے پوچھا۔

”یہ تو فی الحال نہیں کہا جا سکتا۔“ کانسٹیبل نے کہا۔ ”اس بات کا پتا تو تبھی چل سکے گا جب ملنگی بابا خود اپنی چیزوں کا جائزہ لیں۔ میرا خیال ہے بیگم سعید کہ آپ ملنگی بابا کے آنے تک کسی ہوٹل میں رہنے کا بندوبست کر لیں۔“

”میں تو یہاں کسی ہوٹل کا پتا نہیں جانتی۔“

”آپ شاداب ہوٹل اینڈ ریستوران میں چلی جائیں؟“ عنبر نے کہا۔ ”میں آپ کو وہاں چھوڑ آؤں گا۔“

”چلو۔“ بیگم سعید نے اپنا اٹیچی اور اظہر نے اپنا بیگ اٹھالیا۔

”ٹھہریے، میں آپ کے لیے ٹیکسی لے کر آتا ہوں۔“ عنبر نے اُنہیں رُکنے کا اشارہ کیا۔

”نہیں۔ اس کی ضرورت نہیں۔“ بیگم سعید نے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔

مگر۔۔۔ مگر شاداب ہوٹل تو یہاں سے دو میل دور ہے۔“ عنبر نے بتایا۔

"باہر میری کار کھڑی ہے۔" بیگم سعید نے کہا اور پھر سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولیں۔ "اب یہ نہ کہنا کہ میں کار کے کاغذات بھی تم لوگوں کو دکھاؤں۔ میں اس وقت بہت پریشان ہوں۔" بیگم سعید نے کچھ ایسے انداز میں یہ فقرہ کہا کہ کانسٹیبل مُنہ پرے کر کے مُسکرانے لگے۔ عنبر بھی مُسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔

چند لمحوں بعد بیگم سعید، اظہر اور عنبر ڈیرے سے باہر نکلے۔ کراچی کی سفید اور نیلے رنگ کی نمبر پلیٹ والی کار میں بیٹھے ہوئے عنبر یہ سوچ رہا تھا کہ ملنگی بابا تو ایک سر پھرا سا آدمی ہے۔ اس کے پاس ایسی کیا شے تھی جسے چوری کرنے کے لیے کوئی آدمی اس کے گھر میں یوں داخل ہو؟

اور ملنگی بابا خود کہاں چلا گیا ہے؟

لوگ ہی لوگ

عنبر نے اپنی سائیکل کار کی ڈگی میں رکھ لی تھی تا کہ واپس گھر جانے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ وہ بیگم سعید اور اظہر کو شاداب ہوٹل میں چھوڑ کر سائیکل پر گھر روانہ ہو گیا تھا۔

راستے میں ساحل کو جانے والی سڑک پڑتی تھی اور اِس پر اُس نے ساحل کے قریب وہی پرانی فورڈ کار کھڑی دیکھی جو صُبح بھی کھڑی تھی۔ کوئی من

چلا مچھلیاں پکڑ رہا ہو گا۔ وہ صُبح ہی صُبح لگاتار اتنی تیزی سے ہونے والے واقعات کے باعث تھک سا گیا تھا۔ اس کے ہاتھوں نے تازہ ہوا کھانے کے لیے ہینڈل کا رُخ ساحل والی سڑک پر موڑ دیا۔

فورڈ سے کُچھ فاصلے پر ایک آدمی سمندر کے کنارے چھتری لگائے بیٹھا ہوا تھا اور مچھلیاں پکڑنے والی ڈوری سمندر میں پڑی ہوئی تھی۔ اس کا ایک سِرا اُس نے اپنی چھتری کے ساتھ باندھ رکھا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ مچھلیوں کی طرف سے خاصا مایوس ہے۔

اُس نے عنبر کو اپنی طرف آتے دیکھا تو اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ عنبر نے پوچھا۔ ”آپ نے ابھی تک کوئی مچھلی نہیں پکڑی؟“

”نہیں۔ لگتا ہے شاداب نگر کی مچھلیاں اجنبیوں سے ذرا ڈرتی ہیں۔“

”آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں، جناب؟“

”آؤ، یہاں بیٹھو، تازہ ہوا کھاؤ۔ سائیکل چلا چلا کہ تمہیں پسینہ آ گیا ہے۔

میں اپنا تعارف ابھی کراتا ہوں۔ میرا نام فاروق ہے اور میں پکنک منانے کے لیے یہاں آیا ہوں۔"

عنبر نے سوچا، شاید یہ آدمی ٹھیک ہی کہہ رہا ہے۔ اس کی کار کے بے شک پُرانی تھی، لیکن اُس کی پتلون قمیض، چھتری، دری جس پر وہ بیٹھا ہوا تھا سب بالکل نئی تھیں۔ لگتا تھا کہ فاروق نے یہ سب چیزیں پکنک پر آنے سے پہلے خریدی تھیں۔ فاروق واقعی من چلا آدمی تھا۔

"آپ نے ابھی تک ایک بھی مچھلی نہیں پکڑی۔ آپ بور تو نہیں ہو رہے؟" عنبر نے اُس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

"نہیں، بور تو نہیں ہو رہا! ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے ایک پولیس کی جیپ بڑی تیزی سے اُدھر اُوپر گئی تھی۔" فاروق نے ملنگی بابا کے ڈیرے کو جانے والی سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "کیا شاداب نگر میں کوئی کیس ہو گیا ہے؟"

"نہیں، کوئی خاص کیس تو نہیں ہوا۔" عنبر نے فاروق کے چہرے کی

طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ارے! یہ تمہارے ماتھے پر تو گومڑا پڑا ہوا ہے۔ کیا کہیں گر گئے تھے؟“ فاروق نے اچانک اُس کے چہرے کی طرف دیکھ کر کہا۔

”دراصل یہ دونوں چیزیں ایک ہی بات سے تعلّق رکھتی ہیں۔“ عنبر نے سنجیدگی سے کہا۔ ”آج ملنگی بابا کے ڈیرے پر کوئی شخص۔۔۔۔۔“

”ایک منٹ!“ فاروق نے ہاتھ کے اشارے سے اُسے روکتے ہوئے کہا۔ ”یہ ملنگی بابا گیا کوئی ملنگ ہے؟“

”نہیں، ملنگ تو نہیں۔ اُس کے حُلیے کی وجہ سے سب لوگ اُسے ملنگی بابا کہتے ہیں۔ وہ یہاں کی ایک اہم شخصیت ہے۔“

”ہاں، اب بتاؤ کہ تُم کیا کہنے لگے تھے؟ ملنگی بابا کے ڈیرے پر کوئی شخص۔۔۔۔“

”ایک شخص جس کا پتا نہیں چل سکا، اُن کے مکان کے اندر کچھ تلاش کرتا

رہا اور بعد میں وہ فرار ہو گیا۔ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کوئی چیز لے جانے میں کام یاب بھی ہوا یا نہیں۔"

"اور تُم نے کہا تھا کہ تمہارے سر کا گومڑا بھی۔۔۔"

"جی ہاں، یہ گومڑا اس طرح پڑا کہ جب وہ شخص وہاں سے جانے لگا تو اس نے مجھے وہاں دیکھ لیا اور مجھے دھکّا دے کر بھاگ گیا، جس کے باعث میں مُنہ کے بل گر پڑا اور میرے ماتھے پر یہ گومڑا پڑ گیا۔"

کُچھ دیر ساحل کی تازہ ہوا کھا کے عنبر واپس گھر طرف روانہ ہو گیا۔ گھر پہنچ کر اُس نے سب پہلے خفیہ ہیڈ کواٹر پر جا کر عاقِب اور نسیم کے گھر ٹیلے فون کیا اور کہا کہ وہ شام کو اس کے پاس پہنچ جائیں۔ اس کے بعد وہ سائیکل ہاتھ میں لیے لان میں ٹہلتا ٹہلتا ڈیوڑھی میں داخل ہو گیا۔

"عنبر یہ تم نے اتنی دیر کہاں لگا دی؟" خالہ نے اُسے آڑے ہاتھوں لیا۔ "دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

”وہ۔۔۔وہ۔۔۔میں خالُو کے کہنے پر ملنگی بابا کے ڈیرے پر گیا تھا۔“

”تمہارے خالُو کہہ رہے تھے کہ وہ صُبح اچانک دُکان سے غائب ہو گیا؟“ خالہ نے حیرت سے کہا۔

”جی ہاں، اور اسی لیے میں وہاں گیا۔ لیکن ملنگی بابا وہاں بھی نہ تھا۔ البتّہ اس کے گھر وہ مہمان آ گئے تھے جن کے لیے بابا نے صُبح ہی ہماری دُکان سے فرنیچر خریدا تھا۔“

”مہمان؟ کون ہیں وہ لوگ؟“ خالہ نے دل چسپی لیتے ہوئے کہا۔

”ایک تو خاتون ہیں، بیگم سعید، جن کی عمر چالیس پینتالیس سال کے لگ بھگ ہو گی۔ ایک اُن کا لڑکا ہے اظہر، میرا ہم عمر۔ بیگم سعید ملنگی بابا کو اپنا باپ بتاتی ہیں اور اِس حساب سے وہ اظہر کا نانا ہوا۔“

”باپ، نانا؟“ خالہ حیرت سے چلّائیں۔ ”مگر ملنگی بابا کے تو کوئی بیٹی بیٹا نہیں۔ پورا شاداب نگر جانتا ہے۔“

”ہاں، کم از کم آج صُبح سے پہلے ان کا کوئی بیٹی بیٹا نہ تھا۔ لیکن اب تو وہ آ چکے ہیں۔ اُن کی بیٹی بھی اور نواسا بھی۔ کم از کم اُن کا کہنا یہی ہے کہ ملنگی بابا سے اُن کا یہی رشتہ ہے۔“عنبر نے کہا۔

”تو کیا وہ اُسی گھر میں۔۔۔۔۔“

”نہیں وہاں کسی نے چوری کرنے کی کوشش کی تھی۔ پولیس نے بیگم سعید کو فی الحال یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ کسی ہوٹل میں چلی جائیں اور میں ابھی اُنہیں شاداب ہوٹل میں چھوڑ کر آ رہا ہوں۔“

”ارے، تم اُنہیں یہاں لے آتے۔ ملنگی بابا کتنا اچھا آدمی ہے۔ اگر وہ غائب ہو گیا ہے تو ہم اس کے مہمانوں کو اپنے ہاں رکھ سکتے تھے۔“ خالہ نے کہا۔ ”اچھا، شام کو شاداب ہوٹل چلیں گے اور اُنہیں یہاں لے آئیں گے۔“

”شام کو نہیں۔ وہ کراچی سے آئے ہیں، اپنی کار میں۔ ظاہر ہے بہت تھک گئے ہوں گے۔ آج اُنہیں آرام کرنے دیں۔ کل ناشتے کے بعد اُنہیں وہاں

سے لے آئیں گے۔"

"ارے یہ تمہارے ماتھے پر کیا ہُوا؟"

"کچھ نہیں۔ ذرا گر پڑا تھا۔" عنبر کے کہا۔ "دیکھ کر چلا کرو بیٹے، اپنا دھیان رکھا کرو۔ چلو، پہلے چوٹ پر دوا لگاؤ، پھر ہاتھ دھو کر کھانا کھاؤ۔" خالہ نے محبّت سے کہا۔ عنبر نے دھکّے والا قصّہ خالہ جان کر جان بوجھ کر نہیں بتایا تھا ورنہ خالہ اُسے ملنگی بابا کے ڈیرے پر جانے سے منع کر دیتیں۔ وہ اپنے اکلوتے بھانجے کا بہت خیال رکھتی تھیں۔

شام کو کھانے کے بعد تین ننّھے سُراغ رساں اپنے خفیہ ہیڈ کوارٹر میں جمع ہوئے۔ عاقِب نے چھوٹتے ہی پوچھا۔ "کہو، آپ کیا معاملہ ہے؟"

"اور یہ تمہارے ماتھے پر کیا ہوا؟" نسیم نے کہا۔ "کیا سارا دِن دیواروں سے ٹکریں مارنے کی پریکٹس کرتے رہے ہو؟"

"نہیں، اس چوٹ کا تعلّق بھی ہمارے نئے کیس ہے۔" عنبر نے بتایا۔

”نیا کیس؟“ نسیم نے کہا۔ ”پہلے یہ بتا دو کہ اس میں کوئی بھُوت وُوت تو نہیں ہے؟ کوئی نیلا، پیلا، ہرا یا لال بھُوت؟“

”نہیں نہ اِس میں کوئی بھُوت ہے، نہ سمندری بلا۔“ عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ اس کا اشارہ پچھلے کیس کی طرف تھا جس میں ان کا سامنا ایک ڈراؤنی سمندری بلا سے ہوا تھا، جو دراصل ایک سمگلر کی آب دوز کشتی تھی۔ ”یہ ایک سیدھا سادھا سا قصّہ ہے، ملنگی بابا آج صُبح غائب ہو گیا ہے!“

”غائب ہو گیا ہے!“ نسیم اور عاقِب نے ایک ساتھ کہا۔

”ہاں، اور اس کے مکان کی کسی شخص نے تلاشی لی ہے۔ ابھی تک یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ شخص وہاں سے کچھ لے بھی گیا ہے یا نہیں۔“

”وہ شخص کچھ لے گیا ہے یا نہیں، یہ تو میں نہیں جانتا، مگر وہ تمہارے ماتھے پر نشان ضرور چھوڑ گیا ہے۔ یہی بات ہے نا؟“ نسیم نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“ عنبر جھینپ سا گیا اور باقی دونوں سُراغ رسانوں کو صُبح سے لے کر

دوپہر تک کے سارے واقعات سُنانے لگا۔ ساری تفصیل سُننے کے بعد عاقِب نے سوال کیا۔ ”جب ملنگی بابا اُن دو آدمیوں کے راستہ پوچھنے کے بعد اپنے گلے میں لٹکے ہوئے تمغے کو پکڑ رہا تھا تو کیا وہ یہ عادتاً کر رہا تھا یا اس نے یہ تمغہ اُن آدمیوں سے چھپانے کی کوشش کی تھی؟“

”اس بات پر تو اس وقت میں نے غور ہی نہیں کیا تھا۔“عنبر نے تسلیم کیا۔ ”ظاہر ہے اُس وقت تک ملنگی بابا موجود تھا اور اُس کی موجودگی میں اِس بات کی کوئی اہمیت نہ تھی۔“

بات تھی بھی ٹھیک۔ اس بات کی اہمیّت تو ملنگی بابا کے غائب ہونے سے پیدا ہوئی۔ اگر وہ یوں پُراسرار طور پر غائب نہ ہوتا تو یہ بات بالکل اہم نہ تھی۔

”عنبر! کیا تم نے کبھی ملنگی بابا کے تمغے پر غور ہے؟“نسیم نے پوچھا۔

”ہاں، بہت دفعہ۔ اس پر ایک شاہین بنا ہوا ہے جس کے دو سر ہیں۔ ایک دائیں طرف کو دیکھتا ہوا اور دوسرا بائیں طرف کو۔۔۔ میرا خیال ہے یہ

کوئی خاص نشان، خاص علامت یا خاص اشارہ ہے۔“

”ہاں، میں بھی یہی کہنے والا تھا۔ کہیں ملنگی بابا وہ نشان کار والے آدمیوں کو دِکھا تو نہیں رہا تھا۔“ نسیم نے کہا۔

”یا چھپا رہا تھا؟“ عاقِب بول پڑا۔

”ہمیں ان دونوں باتوں کو دھیان میں رکھنا ہو گا اور ہاں، شاداب نگر میں پانچ ایسے آدمی موجود ہیں جن میں سے کسی ایک کا اِن باتوں سے گہرا تعلّق ہے۔“

”پانچ آدمی؟“

”ہاں۔ بیگم سعید اور اظہر، ٹاپ ہاؤس کا پتا پوچھنے والے دو آدمی اور فاروقی۔ شاداب نگر میں یہ پانچ نئے آدمی آج ہی آئے ہیں اور پانچوں کے پانچوں کسی نہ کسی طرح ملنگی بابا کے ڈیرے کے پاس سے گزرے ہیں۔ میرا خیال ہے ملنگی بابا کی گمشدگی اور اُس کے گھر کی پُراسرار تلاشی میں ان

پانچ میں سے کسی ایک کا ہاتھ ضرور ہو گا۔"

"لیکن عنبر، بیگم سعید اور اظہر تو ملنگی بابا کے مہمان ہیں اور اُن کے لیے اُس نے تمہاری دُکان سے فرنیچر خریدا تھا۔ ان کا اِس قصّے سے کیا تعلّق ہو سکتا ہے؟" عاقِب نے پوچھا۔

"مگر ہمیں ابھی تک یہ نہیں معلوم ہوا کہ کیا بیگم سعید واقعی ملنگی بابا کی بیٹی ہیں۔ اور جب تک ثابت نہیں ہوتی، اُس وقت تک ہمیں اُنہیں بھی شبہے والی فہرست میں رکھنا ہو گا۔" عنبر نے کہا۔

جلتے نِشان

اگلی صُبح عنبر اور اس کی خالہ جان ناشتے سے فارغ ہو کر ملنگی بابا کی بیٹی اور نواسے سے ملنے کے لیے شاداب ہوٹل پہنچے تو وہ بر آمدے میں بیٹھے ناشتا کر رہے تھے اور فاروق بھی ان کے پاس ایک میز پر بیٹھا ہوا تھا۔

”السّلامُ علیکم۔“ عنبر نے ان کے قریب پہنچتے ہوئے کہا۔ ”یہ میری خالہ جان ہیں۔ اور خالہ جان یہ ہیں بیگم سعید اور اِن کے صاحب زادے، اظہر۔“

”اور میرا نام فاروق ہے۔“ فاروق نے خواہ مخواہ بیچ میں ٹانگ اڑاتے ہوئے کہا۔

”آپ کا نام کچھ بھی ہو، مُجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔“ خالہ نے بڑی رُکھائی سے کہا۔ ”میں اظہر اور بیگم سعید سے ملنے آئی ہوں۔“

”تشریف رکھیے، بیگم سعید نے خالی کرسیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”بھئی عنبر، مجھے افسوس ہے کہ کل میں تُم سے نا مناسب انداز میں پیش آئی۔ تم بُرا نہ ماننا۔ دراصل میں بہت تھکی ہوئی تھی۔ کراچی سے آ رہی تھی اور اتنے برسوں کے بعد اپنے ابّا سے ملنے آئی تھی۔ جب میں نے یہ سُنا کہ تھوڑی دیر پہلے وہ غائب گئے ہیں اور اُن کے گھر میں کوئی شخص۔۔۔ تُم میرا مطلب سمجھ رہے ہو نا؟ ایسے میں غصّہ آنا قدرتی بات تھی۔ مُجھے اس پر شرمندگی ہے۔“

”کوئی بات نہیں۔“ عنبر نے فراخدلی سے کہا۔ ”میں سمجھ گیا۔“

”اور پھر جب پولیس نے میرے ملنگی بابا کی بیٹی ہونے پر شبہے کا اظہار کیا تو

تُم سمجھ سکتے ہو کہ میرے جذبات کیا ہوں گے۔"

"پولیس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا، محترمہ۔" فاروق پھر بیچ میں ٹانگ اڑائی۔

"نہیں۔" بیگم سعید نے کہا۔ "ویسے پولیس کا شُبہ بھی اپنی جگہ ٹھیک تھا۔ آخر میں زندگی میں پہلی بار ابّا سے ملنے یہاں آئی ہوں۔ تین چار سال وہ مجھے چھوڑ کر یہاں آ گئے تھے۔"

"اب آپ کا کیا ارادہ ہے؟" خالہ نے پوچھا۔ "ارادہ؟" بیگم سعید نے کہا۔ "میں معاملہ صاف ہونے اور ابّا کے آنے سے پہلے تو واپس نہیں جاؤں گی۔ ذرا دیکھیے۔۔۔۔" اُس نے اپنے پرس میں سے ایک خط نکال کر خالہ اور عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "اتنی مشکل سے تو اُنھوں نے مجھے یہاں آنے کی اجازت دی تھی۔ اُنھوں نے اِس میں لکھا ہے کہ اگر تم مجھ سے ملے بغیر زندہ نہیں رہ سکتیں تو اس بار گرمیوں کی چھٹیوں میں یہاں آ سکتی ہو۔ یہ لکھا ہے اُنھوں نے۔۔۔ اور شام یہاں پولیس انسپکٹر بھی آیا

تھا۔ میں نے یہ خط دکھایا تو اُسے یقین آیا کہ میں واقعی اُن کی بیٹی ہوں۔۔۔۔ اور یہ بھی میری خوش قسمتی ہے کہ یہ خط میں پرس میں ڈال کر لے آئی تھی ورنہ اللہ جانے کیا ہوتا؟"

"ہاں یہ تو اچھّا ہوا۔" عنبر نے خط لوٹاتے ہوئے کہا۔ خط واقعی ملنگی بابا کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا۔

"میں نے ناشتے سے پہلے پولیس کو فون کیا تھا کہ میرے ابّا کو ڈھونڈو۔ یہ اُن کی ذمّے داری ہے۔"

"دراصل شاداب نگر ساحلی پہاڑی علاقہ ہے اور پہاڑوں میں کسی کو ڈھونڈنا اتنا آسان نہیں۔"

"مگر آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟" خالہ نے بیگم سعید کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "میں آپ کو لینے آئی ہوں۔ آپ ملنگی بابا کے آنے تک ہمارے گھر بڑے شوق سے رہ سکتی ہیں۔"

”آپ کی پیش کش کا بہت بہت شکریہ۔“ بیگم سعید نے کہا۔ ”لیکن میں اپنے ابّا کے گھر جانا پسند کروں گی۔ میں نے رات پولیس انسپکٹر سے بات کی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ آج دوپہر کو میں وہاں جا سکتی ہوں، کیوں کہ اِس دوران میں پولیس اپنی کارروائی پوری کر چُکے گی۔“

”لیکن کیا آپ کا وہاں جانا ٹھیک ہو گا؟“ عنبر نے اچانک کہا۔ ”میرا مطلب ہے، کل وہاں کسی شخص نے چوری کی تھی، یا چوری کرنے کی کوشش کی تھی۔ اگر وہ چور پھر آ گیا؟“

”میں چوروں سے نبٹنے کی طاقت رکھتی ہوں۔“ بیگم سعید نے کہا۔ ”میرے پاس پستول ہے اور میں اسے چلانا بھی جانتی ہوں۔“

”اگر آپ نے وہاں رہنے کا ارادہ کر ہی لیا ہے تو میں ابھی جا کر آپ کا سامان وہاں بھجوائے دیتی ہوں۔“ خالہ بولیں۔

”سامان؟“

”جی ہاں۔ شاید عنبر نے آپ کو یہ نہیں بتایا کہ ملنگی بابا نے کل کُچھ فرنیچر وغیرہ خریدا تھا ہماری دکان سے۔ ان کے سودا سلف کی ٹوکری بھی ہمارے ہاں ہی پڑی ہے۔“ خالہ نے کہا۔ ”میں ابھی عنبر کے ہاتھ یہ تمام چیزیں وہاں بھجوا دوں گی۔“

خالہ جان نے گھر واپس آتے ہی افراتفری مچا دی۔ عنبر کو ریڑھا لینے بازار بھیجا اور اُس کے آتے ہی سامان لدوانا شروع کر دیا گیا۔ اس کے بعد عنبر کو چند ہدایات دینے کے بعد رُخصت کر دیا۔ پھر بھی اِس سارے کام میں اتنا وقت لگا کہ جب عنبر ریڑھے پر سامان لے کر ملنگی بابا کے ڈیرے پر پہنچا تو سامنے سے، کار میں، بیگم سعید اور اظہر آ رہے تھے۔ باہر کے گیٹ ہی پر اُن کی مُڈ بھیڑ ہو گئی۔

مکان کے اندر جگہ جگہ پاؤڈر پڑا تھا، جو انگلیوں کے نشان لینے کے لیے ڈالا گیا تھا۔

”اب پہلے تو مجھے سارے گھر کی صفائی کرنا پڑے گی۔“ بیگم سعید نے کہا۔

"اس کے بعد سامان ترتیب سے رکھیں گے۔"

سامان ریڑھے پر سے اُتار کر لان میں رکھ دیا گیا۔ اور بیگم سعید صفائی کرنے لگیں۔ عنبر اور اظہر لان میں کھڑے باتیں کرتے رہے۔ اچانک عنبر نے دیکھا کہ وہی دونوں آدمی، جو کل ٹاپ ہاؤس کا راستہ پوچھ رہے تھے۔ اُوپر سے نیچے آ رہے ہیں۔ شاید وہ کسی ضروری کام سے سڑک پر جا رہے تھے، اِسی لیے تیز تیز اُتر رہے تھے، ورنہ ڈھلان ایسی نہ تھی کہ اُنہیں اتنی تیزی سے اُترنا پڑتا!

سڑک پر تیز تیز چلتے ہوئے وہ ملنگی بابا کے ڈیرے کے پاس سے بھی گُزرے اور عنبر نے محسوس کیا کہ اُن کی رفتار کچھ ہلکی ہو گئی تھی۔

عنبر کو اُن لوگوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے پا کر اظہر نے پوچھا۔ "کیا یہ کوئی خاص لوگ ہیں؟"

"نہیں اتنے خاص لوگ نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "یہی وہ آدمی ہیں جو کل صُبح ٹاپ ہاؤس کا پتا مجھ سے پوچھ رہے تھے اور اِس واقعے کے بعد ہی ملنگی بابا

غائب ہو گئے تھے۔"

"اظہر، عنبر! اندر آ جاؤ۔" بیگم سعید نے آواز دی۔ وہ صفائی کر چکی تھیں اور اب سامان رکھوانے کے لیے اُنہیں بلا رہی تھیں۔

بعض کمرے تو بالکل خالی تھے اور بعض میں برتن رکھے ہوئے تھے۔ مٹّی چینی کے برتن، گُل دان اور اِسی قسم کی دوسری چیزیں۔

"آپ کس کمرے میں رہیں گی؟" اظہر نے پوچھا۔

"بھئی، جو کمرے خالی ہیں، اُن میں سے ایک میں دونوں مسہریاں بچھا دو۔ دوسرے کمرے میں میز کرسیاں وغیرہ لگا دو۔"

"وہ کونے والا کمرا کیسا رہے گا؟" عنبر نے پوچھا۔ "اس کمرے میں کھڑکی بھی ہے۔ ہوادار ہے۔"

"چلو، اُسی میں مسہریاں بچھوا دو۔" بیگم سعید نے کہا۔

اظہر اور عنبر ایک مسہری لے کر کمرے میں گئے اور اُسے فرش پر رکھ کر

کمر سیدھی کرنے کے لیے کھڑے ہوئے تو عنبر نے دیکھا کہ کمرے کی ایک دیوار پر آتشدان کے عین اوپر پانچ چھ فٹ لمبا اور کوئی اتنا ہی چوڑا مٹّی چینی کا بنا ہوا ایک بورڈ سا چپکا ہوا ہے اور اس پر ایک بہت بڑا شاہین بنا ہوا ہے۔ اس شاہین کے بھی دو سر تھے!

"یہ کیا ہے؟" اظہر نے پوچھا۔

"ملنگی بابا کا شاہکار ہے۔" عنبر نے کہا۔ "اُنہیں دو سروں والے شاہین بہت پسند ہیں۔ اُن کے گلے میں بھی مٹّی چینی کا ایک تمغہ لٹکا رہتا ہے جس پر دو سروں والا شاہین بنا ہوا ہے۔ اور مکان کے گیٹ سے اندر آتے ہی راستے کے دونوں جانب جو بڑے بڑے گُل دان رکھے ہوئے ہیں، اُن میں سے بھی بعض پر یہی نشان بنا ہوا ہے۔"

"اچھا!" اظہر نے حیرت سے کہا۔ "وہ لمبے لمبے گُلدان تو میں نے ضرور دیکھے ہیں، لیکن اُن پر بنی ہوئی تصویروں پر میں نے دھیان نہیں دیا۔"

"لگتا ہے کہ اس نشان کا تم سے کوئی گہرا تعلّق ہے۔" عنبر نے کہا۔

”مجھ سے؟“ اظہر نے کہا۔ ”وہ کیسے؟“

”میرا مطلب ہے، تمہارے نانا جان سے، ملنگی بابا سے۔“ عنبر نے کہا۔
”وہ اس نشان کے عاشق معلوم ہوتے ہیں۔“

”اچھا بھئی، تم لوگ یہ چیزیں سیٹ کرو۔ میں باورچی خانے میں جا کے کھانے پینے کی تیّاری کرتی ہوں۔“ بیگم سعید نے کہا۔ اُن کے ہاتھ میں سودے سلف کی وہ ٹوکری تھی جو کل ملنگی بابا کار میں چھوڑ گیا تھا، اور جو عنبر فرنیچر کے ساتھ ہی ریڑھے پر رکھ لایا تھا۔

”اچھا امّی۔“ اظہر نے کہا۔ ”آؤ عنبر، اب دوسری مسہری اندر لائیں۔“

جب یہ لوگ مسہری لینے کے لیے لان کی طرف گئے تو باورچی خانے میں سے بیگم سعید کی بوکھلائی ہوئی آواز آئی۔ ”اظہر! عنبر! اِدھر آؤ! جلدی!“

عنبر اور اظہر باورچی خانے کے دروازے پر پہنچے تو اُنہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا!

باورچی خانے کے فرش پر، تین جگہ، آگے پیچھے پاؤں کے تین نشان پڑے ہوئے تھے اور وہ سبز رنگ کی آگ میں جل رہے تھے۔ لمبے لمبے سبز شُعلے چند لمحوں بعد مدھم ہوتے گئے اور آخر کار بُجھ گئے!

"ملنگی بابا! ملنگی بابا!" عنبر چلّایا۔

"کیا مطلب؟" بیگم سعید نے کہا۔

"مطلب یہ کہ ملنگی بابا ننگے پاؤں رہتے ہیں۔۔۔ کہیں وہی تو اِدھر سے نہیں گزرے؟" عنبر نے کہا۔

بیگم سعید اور اظہر حیرت سے مُنہ پھاڑے کبھی عنبر کو دیکھتے اور کبھی فرش پر پاؤں کے جلے ہوئے نشانوں کو!

تفتیش

پولیس کوٹیلے فون کر دیا گیا۔ اور اتّفاق سے وہی دو سپاہی اور پولیس انسپکٹر آئے۔ انسپکٹر نے عنبر سے کہا۔ ”اخّاہ! تو تم بھی یہاں ہو! کہو، تمہارے خیال میں یہ سب کچھ کیا ہے؟“

”شاید ملنگی بابا کا بھُوت یہاں سے گزرا ہو گا، کیونکہ جلتے ہوئے پاؤں کے تین نشانات یہاں پڑے ہیں۔ آپ خود اِن کو دیکھ سکتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔

"تم سنجیدگی سے کہہ رہے ہو؟" انسپکٹر نے کہا۔ "اونہوں! تم جانتے ہو کہ میں بھُوتوں پر یقین نہیں رکھتا اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی بھُوتوں کو نہیں مانتے۔ بہر حال، میں پورا قصّہ سُننا چاہتا ہوں۔"

عنبر نے پوری تفصیل انسپکٹر کو سُنا دی۔ بیگم سعید اپنے اوسان بحال کرنے میں مصروف تھیں، اِس لیے وہ خاموشی سے سُنتی رہیں اور عنبر اور انسپکٹر کی بات چیت میں دخل نہ دیا۔ البتّہ جب انسپکٹر نے چلنے سے پہلے اس جگہ سے کُچھ سیمنٹ اُکھاڑ کر لفافے میں ڈالا جس پر نشانات تھے تو بیگم سعید نے کہا۔ "انسپکٹر صاحب، آپ ذرا جلدی اِس کیس کا پتا چلائیں۔"

"آپ فکر نہ کریں۔" انسپکٹر نے دِلاسا دیتے ہوئے کہا۔ "ہم اپنی طرف سے پوری کوشش کریں گے۔ ویسے آپ مناسب سمجھیں تو اس مکان کے بجائے۔۔۔۔"

بیگم سعید اُٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور بولیں۔ "جی نہیں۔ میں یہیں رہوں گی۔ میں اپنے باپ کا مکان چھوڑ کر کسی ہوٹل ووٹل کے چکّر میں نہیں

پڑوں گی۔"

"مگر آپ کی حفاظت کے لیے میں۔۔۔۔۔"

"میں اپنی حفاظت خود کر سکتی ہوں۔ہاں،وہ نظر نہ آنے والا آدمی۔۔۔"

"ہم ان نشانات کی مدد سے اُسے پکڑنے کی کوشش کریں گے۔" انسپکٹر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "بہر حال ایک بات میں کہوں گا۔اگر آپ یہیں رہنا چاہتی ہیں تو رات کو تمام کھڑکیاں اور دروازے اچھّی طرح سے بند کر کے سوئیے گا۔" یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

پولیس کے جانے کے بعد بیگم سعید چائے بنانے باورچی خانے میں چلی گئیں اور عنبر اور اظہر ڈیوڑھی کے پاس سیڑھیوں پر بیٹھ گئے۔ ان سیڑھیوں کے دونوں طرف بھی دو بڑے بڑے گُل دان تھے اور مٹّی چینی کے اِن گل دانوں پر بھی دو سروں والا شاہین بنا ہوا تھا۔

"مجھے تو یوں لگ رہا ہے کہ تم انسپکٹر سے سچ ہی کہہ رہے تھے کہ یہ میرے

ناناجان کا بھُوت ہے۔" اظہر نے عجیب لہجے میں کہا۔

"ارے نہیں۔ وہ تو میں مذاق کر رہا تھا۔ مجھے پتا ہے کہ آج کل کوئی بھی بھُوتوں کو نہیں مانتا اور یوں بھی ذرا سوچو کہ ملنگی بابا نے تمہارے آنے سے پہلے تم لوگوں کے لیے پورا انتظام کر لیا تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں، سودا سلف، مسہریاں، فرنیچر اور وہ تو ٹی وی لینے کی بات بھی کر رہے تھے مگر اُنہیں موقع ہی نہ ملا۔ اب ایسا شخص اپنے نواسے اور اپنی بیٹی ہی کو بھُوت بن کر کیوں ڈرائے گا؟"

"ہاں یہ بات تو ہے۔" اظہر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں کچھ باتیں پوچھنے کے لیے یہاں لایا تھا۔" عنبر نے کہا۔

"کیا؟" "تُم اپنے نانا کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو، اور اپنی نانی کے بارے میں تمہیں کیا کچھ علم ہے؟"

"کیوں؟" اظہر نے حیرت سے کہا۔ "میرے نانا اور نانی کا اُن عجیب نشانات

سے کیا تعلّق؟"

"تعلّق تو نہیں۔ میں اس بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہوں۔" عنبر نے جواب دیا۔

"تُم تو اِس طرح باتیں کہہ رہے ہو جیسے فلموں میں سُراغ رساں کرتے ہیں۔" اظہر نے حیرت سے کہا۔

"وہ تو ہم ہیں ہی۔" عنبر نے جیب سے سے اپنا یہ تعارفی کارڈ نکال کر اظہر کو دیتے ہوئے کہا!

تین ننھے سُراغ رساں
ہم مُشکل سے مُشکل گتھیاں سلجھا سکتے ہیں
؟ ؟ ؟
سُراغ رساں نمبر ایک: عنبر
سُراغ رساں نمبر دو: نسیم
سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب

”ارے! تو کیا تم لوگ سچ مُچ سُراغ رساں ہو؟“ اظہر نے پوچھا۔

”ہاں، اور ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔ تم اپنے نانا اور نانی کے بارے میں کیا کچھ جانتے ہو؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔ نانا کے بارے میں تو میں کچھ خاص نہیں جانتا، البتّہ نانی مجھے کچھ کچھ یاد ہیں، کیونکہ جب وہ مری تھیں تو میری عمر چار سال کے قریب تھی۔“

”حیرت ہے! وہ کبھی شاداب نگر نہیں آئیں؟“

”نہیں۔ نانا کسی کو اپنے پاس نہیں بُلاتے تھے۔ میں نے امّی سے سُنا ہے کہ جب وہ تین سال کی تھیں تو نانا کراچی سے اچانک غائب ہو گئے تھے۔ کئی سال تک اُن کا کوئی پتا نہ چلا۔ پھر اچانک اُن کا خط آیا، مگر اُنہوں نے اُس میں یہ لکھا تھا کہ کسی کو اُن کے خط یا اُن کے پتے کے بارے میں اِطّلاع نہ دی جائے ورنہ۔۔۔۔“

”ورنہ کیا؟“

”ورنہ کے بعد اُنھوں نے خالی جگہ چھوڑ دی تھی۔ نانی نے اُسے کوئی خطرناک دھمکی سمجھتے ہوئے نانا کی بات پر عمل کیا اور مرتے دم تک کسی کو نہ بتایا، سوائے میری امّی کے جو اُن کی اکلوتی بیٹی ہیں۔“

”تمھارے ابّو کیا کرتے ہیں؟“

”کراچی کے صدر بازار میں ایک بڑی دکان ہے اُن کی؟“ اظہر نے بتایا۔
”وہ تو امّی کو یہاں آنے سے منع کرتے تھے۔ کہتے تھے کہ جس شخص نے تمھاری اور اپنی بیوی کی برسوں تک شکل نہیں دیکھی اور نہ تم لوگوں کو ہی ملنے کی اجازت دی اُس کے پاس جانے سے فائدہ۔ مگر امّی نے ضد کر کے نانا سے اپنے پاس آنے کی اجازت لے لی۔“

”کیا تُم نے دوسروں والے اس شاہین کے بارے میں کبھی کُچھ نہیں سُنا جو تمھارے نانا جگہ جگہ بنانے کے شوقین ہیں؟“

”نہیں، اس کے بارے میں نہ میں نے کبھی سُنا اور نہ میں کُچھ جانتا ہوں۔“

”ہوں! جہاں تک میرا خیال ہے، اس نشان کا تمہارے نانا یعنی ملنگی بابا سے گہرا تعلق ہے۔ کاش ہمیں اس کے بارے میں کُچھ معلوم ہو سکے!“

”پہلے اِن چیزوں سے تو نپٹ لیں۔ ایک تو نانا جان آ جائیں اور دوسرے جلتے ہوئے قدموں کے نشانات کا معمّا حل ہو جائے۔“

”یہ سب ایک ہی سلسلے کی کڑیاں ہیں۔“ عنبر نے دائیں ہاتھ سے اپنا نِچلا ہونٹ مسلتے ہوئے کہا۔ ”مُجھے یوں لگ رہا ہے کہ دو سروں والا شاہین ہماری مدد کر سکتا ہے۔“

”اور دو سروں والا شاہین خفیہ ہیڈ کوارٹر میں تمہارا انتظار کر رہا ہے۔“ عاقِب نے عنبر اور اظہر کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”یہ ہیں سُراغ رساں نمبر تین: عاقِب۔“ عنبر نے تعارف کرایا۔

”اور میں اظہر ہوں۔“

”بڑی خوشی ہوئی تُم سے مل کر۔“

”مجھے بھی۔“

”آؤ چلیں۔“عنبر نے عاقِب کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”اظہر! عنبر! چائے پی لو۔“ اندر سے بیگم سعید کی آواز آئی۔

”اور میں؟“ عاقِب نے آہستہ سے کہا۔

”تُم بھی بچی کھُچی پی لینا۔ آؤ۔“ اظہر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”امّی کو پتا نہ تھا کہ ایک اور مہمان آگیا ہے۔“

”چائے کے بعد شاہین سے ملنے چلیں گے۔“ عنبر نے عاقِب سے کہا۔

”ویسے اتنا بتا دو کہ یہ شاہین آیا کہاں سے ہے اور اِسے کون لایا ہے؟“

”یہ شاہین نسیم لایا ہے اور اُسے اُس کے ابو جلال سے اِتّفاقاً مل گیا تھا۔“ عاقِب نے کہا۔

”چائے پی کر بیگم سعید سے عنبر اور عاقِب نے اجازت لی اور سائیکلوں پر

سوار ہو کر خفیہ ہیڈ کوارٹر کو روانہ ہو گئے۔ راستے میں عنبر نے سبز جلتے ہوئے قدموں کے نشانوں کے بارے میں عاقِب کو بتایا تو وہ کہنے لگا۔ ”یہ نشانات کس قسم کے ہیں؟“

”بھئی ظاہر ہے یہ حرکت کسی شخص کی ہو گی۔ البتّہ اُس شخص نے ننگے پاؤں کے نشان بنا کر بیگم سعید کو ڈرانے کی کوشش کی ہے تا کہ وہ اُنہیں اپنے ابّا کے بھُوت کی کارستانی سمجھ لیں۔“

”کیا یہ نشان کسی بڑے آدمی کے ہیں؟“

”نہیں، ایسا لگتا ہے کہ یا تو کسی خاتون کے پاؤں ہیں یا بیس بائیس سالہ نوجوان کے۔ ملنگی بابا کے پاؤں خاصے بڑے ہیں۔“

”کہیں بیگم سعید کا تو اِس میں کوئی ہاتھ نہیں؟“

”نہیں، وہ باورچی خانے میں داخل ہونے لگی تھیں جب اُنہوں نے یہ نشان دیکھے۔ تین نشان جن میں سبز رنگ شعلے لہرا رہے تھے۔“

”وہ دو شخص جو ٹاپ ہاؤس میں رہتے ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”اور تمھارا پانچواں نیا آدمی، فاروق۔ ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟“

”ابھی اِس بارے میں کچھ کہا نہیں جا سکتا۔“عنبر نے کہا۔

”ہمیں سب پر نظر رکھنا ہوگی۔ عاقِب، تم ایک کام کرو۔“

”کیا؟“

”تم نے ایک بار کہا تھا کہ شاداب نگر کا مشہور پراپرٹی ڈیلر احمد خان تمھارا واقف ہے۔ اُس سے یہ پتا کر کے آؤ کہ ٹاپ ہاؤس، جس میں اِتنے برسوں سے کوئی نہیں آیا، اچانک کِس نے کرائے پر لے لیا ہے۔“

”مگر شہر میں اور بھی تو پراپرٹی ڈیلر ہیں۔ ضروری نہیں کہ اِن لوگوں نے احمد خان کی معرفت ہی ٹاپ ہاؤس کرائے پر لیا ہو۔“ عاقِب نے کہا۔

”اگر اُنھوں نے کسی اور سے بھی لیا ہو گا تو احمد خان اپنے ساتھیوں سے پتا کر کے تمھیں بتا سکے گا۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اپنا کام تو وہ خود کر دے گا۔“

”اچھا تم خفیہ ہیڈ کوارٹر چلو۔ میں پتا کر کے آتا ہوں۔“ عاقِب نے سائیکل دوسری سڑک پر ڈال دی۔

جب عنبر ہیڈ کوارٹر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ نسیم ایک بڑی سی خوب صورت جلد والی کتاب پڑھ رہا ہے۔

”مجھے بتایا گیا ہے کہ شاہین یہاں موجود ہے۔“ عنبر نے کہا۔

”بالکل۔ وہ صفحہ ۳۱۹ پر موجود ہے۔ تُم خُود دیکھ سکتے ہو۔“ نسیم نے کتاب عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں شروع سے دیکھوں گا۔“ عنبر نے کتاب بند کر کے اس کا ٹائیٹل دیکھا۔

یہ چار سو صفحے کی ایک مجلّد کتاب تھی اور اِس کا نام تھا: شاہی محل، تاج اور خزانے۔ مصنّف محمد انور راہی۔ کتاب کے ٹائٹل پر برطانیہ کے شاہی تاج کی تصویر بنی ہوئی تھی، جس میں کوہِ نور ہیرا لگا ہوا ہے۔

عنبر نے کتاب کا دیباچہ اور فہرست دیکھی اور اِس کے بعد صفحہ ۳۱۹ نکالا۔ اس پر ایک خُود کے سے تاج کی تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ ریاست بہرام پور کا شاہی تاج تھا۔ اس میں سب سے اوپر سونے کا بنا ہوا دو سروں والا شاہین بنا ہوا تھا۔ بالکل وہی شاہین جو بابا کو اِس قدر پسند تھا۔

"ہوں! اُوں! اُوں! یہ شاہین! بالکل یہی شاہین! ہمیں اسی کی تلاش تھی!" عنبر نے کہا۔ "نسیم، میں اس کا حال بعد میں پڑھوں گا، پہلے تم شاباش وصول کرو۔ یہ بتاؤ کہ یہ کتاب اچانک تمہیں کیسے مل گئی؟"

"بس یوں سمجھو کہ خدا اُن کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔" نسیم نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "جب میں رات گھر پہنچا تو ابو بستر پر لیٹے یہ کتاب پڑھ رہے تھے۔ میں نے اِس کا نام پڑھا تو اُن سے دیکھنے کے مانگی اور اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد مجھے یہ تاج نظر آیا جس پر ہمارا محبوب دو سروں والا شاہین بیٹھا تھا۔ میں نے ابّو سے آج کے لیے یہ کتاب مانگ لی۔ اُنہیں کسی فلم کے لیے اِس میں سے محلوں کے سیٹ وغیرہ دیکھنے تھے اور اُن کی

تفصیل پڑھنی تھی۔"

"بھی بہت خوب!" عنبر نے کہا اور پھر تاج کے نیچے لکھی ہو عبارت پڑھنے لگا۔

"ریاست بہرام پور کا شاہی تاج جو بہرام پُور کے دارالحکومت بید نگر کے عجائب گھر میں دوسرے شاہی نوادرات کے ساتھ رکھا ہوا ہے۔ جب ۱۹۴۰ء میں ریاست میں بادشاہت کا خاتمہ ہوا اور فوجی کونسل قائم ہوئی تو شاہی محل سے ملنے والے ریس ہیرے اور شاہی تاج کو نمائش کے لیے دارالحکومت بید نگر کے عجائب گھر میں رکھ دیا گیا۔ سب سے آخر میں یہ تاج شاہ نورین کو اپنے سر پر رکھنا نصیب ہوا، لیکن اُنہیں اِس کی بہت مہنگی قیمت ادا کرنا پڑی۔ جب فوجی اُنہیں گرفتار کرنے اُن کی خواب گاہ میں داخل ہوئے تو اُنہوں نے دریا کی طرف کھُلنے والی کھڑکی سے چھلانگ لگا دی اور دریا میں ڈوب گئے!"

"افسوس بے چارہ شاہ نورین!" عنبر نے کہا۔

”افسوس بعد میں کرتے رہنا، پہلے یہ بتاؤ کہ اس میں ہمارے مطلب کی کوئی بات ہے یا نہیں؟“نسیم نے کہا۔

”یہ تو ہمیں سوچنا پڑے گا۔ خاصا سوچنا پڑے گا۔“ عنبر نے اپنے نِچلے ہونٹ کو انگلیوں سے مسلتے ہوئے کہا۔

”کہیں ہمارا ملنگی بابا شاہ نورین تو نہیں؟“نسیم نے اچانک کہا۔ ”دیکھو نا، اگر ۱۹۴۰ء میں وہ نوجوان تھا تو اب اُس کی عمر اِتنی ہی ہو سکتی ہے جتنی ملنگی بابا کی۔“

عنبر حیرت سے نسیم کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے تو یہ خیال سُوجھا ہی نہ تھا!

اللہ داد کا کمال

اُسی لمحے عاقِب خفیہ ہیڈ کوارٹر میں داخل ہوا۔

"چل گیا پتا!" وہ اندر آتے ہی چلّایا۔ نسیم مُنہ پھاڑ کر اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ اُسے علم نہ تھا کہ عاقِب کس چیز کا پتا کرنے گیا ہوا ہے کیونکہ عنبر آتے ہی کتاب دیکھنے لگ گیا تھا۔

"کیا؟" عنبر نے کہا۔ "کون ہیں وہ لوگ؟"

"ایک آدمی نے ٹاپ ہاؤس ایک سال کے لیے بُک کرایا ہے اور تین ماہ کا

پیشگی کرایا بھی دے دیا ہے۔" عاقِب نے بتایا۔

"کون ہے وہ آدمی؟"

"وہی موٹا تازہ شخص ہو گا۔ اس نے عبدالکریم نام بتا کر وہ مکان کرائے پر لیا ہے!"

"اس نے کوئی پتا بھی لکھوایا ہے؟"

"ہاں ۱۵۲/۴ رستم روڈ، کراچی۔" عاقِب نے بتایا۔

"کراچی؟ اگر اس شخص نے اپنا اصل پتا بتایا ہے تو پھر ہم یہیں بیٹھے بیٹھے یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ عبدالکریم کون ہے اور کیا کرتا ہے۔"

"وہ کیسے؟" نسیم نے حیرت سے کہا۔ "جہاں تک مجھے معلوم ہے، ابھی تک ہمارے پاس کوئی جادُو کی چھڑی نہیں آئی جس کو ہلا کے ہم شاداب نگر میں بیٹھے بیٹھے یہ معلومات حاصل کر سکیں۔"

"جادُو کا ڈنڈا یا چھڑی نہیں تو جادُو کا بکس یعنی ٹیلے فون تو ہے۔"

”کِسے ٹیلی فون کرو گے؟“ عاقِب نے پوچھا۔

”اللہ داد کو۔“

”اپنے اللہ داد کو؟“ نسیم نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ ”وہ تو کِنگ موٹر کمپنی، شاداب نگر میں ملازم ہے۔ اُس کا کراچی سے کیا تعلّق؟“

”کل راہ میں وہ مُجھے ملا تھا اور بتا رہا تھا کہ وہ اسٹیشن جا رہا ہے۔ کمپنی اُسے اپنے کراچی کے دفتر کسی کام سے بھیج رہی ہے۔ ہم وہاں کمپنی کے پتّے پر فون کر سکتے ہیں۔“

”اوہ!“ نسیم نے کہا۔ ”پھر تو فوراً پوچھو۔“

عنبر نے ڈائریکٹری میں نمبر دیکھا اور کراچی فون ملایا۔ دو کوششوں میں نمبر مل گیا اور مینجر نے اللہ داد کو بُلا دیا۔ وہ اتّفاق سے اُس وقت دفتر ہی میں تھا۔ ”آخّاہ، عنبر میاں! کہیے کیسے یاد کیا؟“ اللہ داد کی آواز آئی۔

عنبر نے ٹیلی فون کے ساتھ ریڈیو کا اسپیکر اِس انداز سے لگا رکھا تھا کہ سب

لوگ فون پر ہونے والی گفتگو سُن سکتے تھے۔

"ہمیں تُم سے ایک ضروری کام ہے؟"

"کیا کام ہے؟ بتائیے۔" اللہ داد نے کہا۔

"یہ رُستم روڈ کراچی کہاں ہے؟" عنبر نے پوچھا۔

"ہمارے دفتر کے نزدیک ہی ہے۔"

"تم، ۱۵۲۴ رستم روڈ، کراچی جاؤ اور یہ معلوم کرو کہ عمارت کِس قسم کی ہے۔ اس پر کِس آدمی کی نیم پلیٹ لگی ہوئی ہے، وہاں کون رہتا ہے اور کیا کرتا ہے۔ یہ سب باتیں معلوم کر لو اور ہمیں یہ بتا دو کہ کتنی دیر میں تم واپس دفتر آجاؤ گے تاکہ ہم تمہیں فون کر کے پوچھ لیں؟"

"اُوں اُوں اُوں۔۔۔ آپ بیس منٹ بعد، نہیں، آدھے گھنٹے کے بعد فون کر لیں۔"

"مگر یہ معلومات تم حاصل کیسے کرو گے؟" عنبر نے پوچھا۔

”ارے بھئی، یہ کون سا مشکل کام ہے۔ ہم کہیں گے کہ ایک سروے کر رہے ہیں، جس میں۔۔۔“

”بس بس۔ ہم سمجھ گئے۔“ عنبر نے کہا۔ ”اچھّا، آدھے گھنٹے تک کے لیے خُدا حافظ!“

”ویسے تمہارے خیال میں ۱۵۲؍ رستم روڈ کس قسم کی جگہ ہو سکتی ہے؟“ عاقِب نے عنبر سے پوچھا۔

”کوئی مکان ہو گا، جو شاید اب خالی ہو یا وہاں اس عبدالکریم نامی شخص کے بیوی بچّے رہ رہے ہوں۔“

”بہرام پور کے بارے میں تم نے کیا سوچا؟“ نسیم نے پُوچھا۔

”کیا ملنگی بابا سچ مُچ بہرام پور کا شاہ نورین ہے؟“ عاقِب کے پوچھنے پر عنبر نے اُسے بھی کتاب سے تفصیل پڑھ کر سنائی اور پھر بولا۔ ”اب اس کا انحصار اِس چیز پر ہے کہ شاہ نورین کو تیرنا آتا تھا یا نہیں۔ اگر تیرنا آتا ہو یا

کسی معجزے سے وہ کسی محفوظ مقام پر پہنچ گیا ہو تو وہ ملنگی بابا کی شکل میں زندہ ہو سکتا ہے، ورنہ نہیں۔ بہر حال، یہ تو تقریباً طے ہے کہ ملنگی بابا کا تعلّق کسی نہ کسی شکل میں ریاست بہرام پور سے رہ چکا ہے۔"

وہ ابھی باتوں میں مصروف تھے کہ آدھا گھنٹا گزر گیا اور عنبر نے دوبارہ کراچی نمبر ملایا۔ اللہ داد پتا کر آیا تھا۔ "مجھے افسوس ہے کہ کچھ زیادہ پتا نہیں چل سکا۔" اس نے کہا۔ "بس اتنا بتا سکتا ہوں کہ وہ کسی آدمی کا گھر نہیں ہے، بلکہ تین منزلہ عمارت ہے جس میں کئی فرموں اور کمپنیوں کے دفاتر ہیں۔"

عنبر، نیم اور عاقِب کو یہ سُن کر تھوڑی سی مایوسی ہوئی، مگر اللہ داد نے ابھی فون بند نہیں کیا تھا۔ "میں نے اُن فرموں اور کمپنیوں کے نام لکھ لیے ہیں جن کے بورڈ اُس عمارت پر لٹکے ہوئے ہیں۔ اگر آپ سُننا چاہتے ہوں تو۔۔۔"

"ہاں، ہاں!" عنبر نے بے تابی سے کہا۔ "سناؤ۔ شاید ہمارے مطلب کی

کوئی بات نکل آئے۔"

"تو سنیے۔۔۔ ایک کمپنی کا نام ہے فروزاں ٹریڈنگ کمپلیکس۔ ایک اور بورڈ پر لکھا ہے، اَلنُّور بُکنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹس۔ ایک اور نام ہے ڈاکٹر انور جمیل بی ڈی ایس آر۔ ایم پی۔ ایک نام ہے بہرام پور ٹریڈنگ کارپوریشن۔ ایک اور نام ہے پاکستان سپورٹس ایسوسی۔۔۔" اللہ داد نام پر نام گنواتا چلا گیا۔

"بس بس۔" عنبر چلّایا۔ "یہ آخری نام پر دہرادو۔"

"پاکستان اسپورٹس ایسوسی۔۔۔" اللہ داد نے کہا۔

"نہیں، یہ نام نہیں۔ اس سے پہلا نام۔" عنبر نے کہا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا اُس کے کانوں نے جو سُنا ہے، وہ صحیح ہے۔

"ہوں۔۔۔ اس سے پہلے نام تھا، بہرام پور ٹریڈنگ کارپوریشن۔" اللہ داد نے کہا۔ "یہی دُہرانے کو کہہ رہے تھے نا؟"

”ہاں، اور تمہارا بہت بہت شکریہ۔“عنبر نے کہا۔

”لیکن میں نے تو شکریے والا کام کیا ہی نہیں۔“ اللہ داد نے بڑی سادگی سے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔ دراصل ہمیں یہ پتا کرنا تھا کہ ایک شخص عبدالکریم کا اِس عمارت سے کیا تعلّق ہے۔ سو وہ تم نے بتا دیا۔“

”مگر میں نے اس بارے میں کچھ نہیں۔۔۔“

”تمہاری ہی باتوں سے ہم نے نتیجہ نکال لیا ہے کہ وہ شخص بہرام پور ٹریڈنگ کارپوریشن میں کام کرتا ہے۔“عنبر نے کہا اور شکریہ ادا کر کے فون بند کر دیا۔

پکڑے گئے!

”تو گویا موٹا تازہ شخص اور اس کا ساتھی جن میں سے ایک کا نام عبد الکریم ہے، ریاست بہرام پور سے ہی تعلّق رکھتے ہیں۔“عنبر نے آخر کار خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔ اور اتنا ہم جان ہی چکے ہیں کہ ملنگی بابا کا تعلّق بھی کسی نہ کسی طرح ریاست بہرام پور سے ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”بس، تو صاف ظاہر ہے کہ ملنگی بابا کا کھوج لگانے یا اس سے ملاقات کرنے

کے لیے یہ دونوں آدمی یہاں آئے۔ اب یہ الگ بات ہے کہ ملنگی بابا خود ہی پُراسرار طور پر غائب ہو گیا اور اُن سے ملاقات نہ کر سکا۔"نسیم بولا۔

"ہمیں یہ بات جاننے کے لیے ایک کام کرنا ہو گا۔" عنبر اپنا نچلا ہونٹ مسلتے ہوئے بولا۔

"کیا؟" نسیم اور عاقِب ایک ساتھ بولے۔ ہمیں ٹاپ ہاؤس جا کر پتا لگانا ہو گا کہ آخر عبدالکریم آف ریاست بہرام پور اور دوسرا شخص کس لیے یہاں آئے ہیں۔ جب تک ہم یہ کہ جان لیں، ہمارا کیس آگے نہیں بڑھ سکتا۔"

"بھئی، میں تو وہاں نہیں جاؤں گا۔" نسیم نے کانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ "ایک تو ویسے ہی ٹاپ ہاؤس کے بارے میں طرح طرح کی ڈراؤنی باتیں مشہور ہیں۔ اُوپر سے وہ موٹا تازہ پُراسرار شخص وہاں موجود ہے جس کا تعلّق ریاست بہرام پور سے ہے۔"

"تم اپنی تقریر ختم کر چکے ہو تو میں ایک بات کہوں؟" عنبر نے کہا۔

"ہاں، کہو ٹاپ ہاؤس کو چھوڑ کر اور جو بات کہنا چاہو، کہہ سکتے ہو۔" نسیم نے کہا۔

"میں اور ہی بات کہنے لگا ہوں۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ "تم ٹاپ ہاؤس نہیں جاؤ گے۔"

"شکریہ۔" نسیم نے لپک کر اُس کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا۔ "تم کتنے اچھّے ہو! میرا کتنا خیال رکھتے ہو!"

"تم آج رات بیگم سعید اور اظہر کے ساتھ ملنگی بابا کے مکان پر رہو گے۔"

"م؟۔۔۔ مَ۔۔۔ مگر وہ سبز آگ والے قدموں کے نشان! اگر وہ پھر آ گئے؟" نسیم نے گھبراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو وہی مثل ہوئی کہ آسمان سے گِرا، کھجور میں اٹکا!"

"وہ نشان اب نہیں آئیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "تمام دروازے اندر سے بند کر لینا۔ اس کے بعد سونا۔ پھر وہ نشان نہیں آئیں گے، کیونکہ میرا خیال ہے اُن میں بیگم سعید کا کوئی ہاتھ نہیں ہے۔"

”ل۔۔۔لیکن میری۔۔۔امّی، کیا وہ اجازت دے دیں گی؟“

نسیم نے سوچ کر ایک بڑا خوبصورت سا بہانہ گھڑا۔

”اجازت میں تمھیں لے دوں گا۔“عنبر نے ٹیلے فون اُٹھاتے ہوئے کہا۔

پندرہ منٹ بعد نسیم سائیکل پر ملنگی بابا کے ڈیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔
عاقِب اور عنبر اُس کے ساتھ ساتھ اپنی اپنی سائیکلوں پر جا رہے تھے۔
ملنگی بابا کے گیٹ کے باہر عنبر اور عاقِب نے سائیکلیں چھوڑ دیں اور عنبر
نے کہا۔ ”ہم ٹاپ ہاؤس جا رہے ہیں۔ سائیکلیں گیٹ کے اندر دیوار کے
پاس کھڑی کر دو۔ واپسی میں لیتے جائیں گے۔“

اب رات کا اندھیرا خاصا پھیل گیا تھا، اور چاند نکلنے میں ابھی دیر تھی۔ عنبر
اور عاقِب تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے چڑھائی پر چڑھنے لگے تاکہ چاند کے
نکلنے سے پہلے اپنا کام کر لیں۔

”میرا خیال ہے، ہمیں سڑک کے بجائے کوئی اور راستہ اختیار کرنا

چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "اس طرح ایک تو ہم جلدی پہنچ جائیں گے اور دوسرے اگر ٹاپ ہاؤس کے لوگ سڑک پر چہل قدمی کر رہے ہوں تو اُن سے آمنا سامنا نہ ہو گا۔"

"اور راستہ؟" عاقِب نے کہا۔ "ٹاپ ہاؤس کی طرف تو بس ایک ہی راستہ جاتا ہے۔"

"تم بھول رہے ہو۔ اس طرف، سڑک سے نیچے اُتر کر ایک برساتی نالہ ہے جو ٹاپ ہاؤس کے پاس سے گزرتا ہے۔ آج کل وہ بالکل خشک ہے۔ ہم اُس کے اندر چل کر ٹاپ ہاؤس پہنچ سکتے ہیں۔"

"جیسے تمہاری مرضی۔" عاقِب نے کہا۔

ذرا سی دیر میں دونوں ننّھے سُراغ رساں برساتی نالے میں اُتر گئے اور احتیاط سے چلتے ہوئے ٹاپ ہاؤس کے قریب پہنچ گئے۔ چاند ابھی نہیں نکلا تھا، اس لیے مکان کے نزدیک جانے میں کوئی خطرہ نہ تھا۔

ٹاپ ہاؤس کے صرف ایک کمرے میں روشنی تھی اور وہ بھی مدھم سی۔ شاید کوئی کم طاقت کا بلب جل رہا تھا، یا پھر موم بتّی جل رہی تھی۔

"میرا خیال ہے کہ ہم اس کمرے کی کھڑکی میں جھانک کر دیکھیں۔ باہر اندھیرا ہے، اس لیے اگر احتیاط سے کام لیں تو اندر والے لوگوں کو نظر نہ آئیں گے۔" عنبر نے آہستہ سے کہا۔

"چلو۔" عاقِب نے مُردہ سی آواز میں کہا۔ "لیکن اس کے بعد یہ مت کہنا کہ اب تم مکان کے اندر جانا چاہتے ہو۔"

"نہیں کہوں گا۔" عنبر نے اُسے یقین دلاتے ہوئے کہا اور آہستہ آہستہ کھڑکی کے نزدیک جانے لگا۔ لیکن وہاں پہنچ کر اُسے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ ٹاپ ہاؤس کرائے پر لینے والے لوگوں نے اُس کے شیشوں کو صاف نہیں کیا تھا۔ پھر بھی دُھندلے دُھندلے شیشوں میں سے عنبر اور عاقِب کو اتنا ضرور نظر آ گیا کہ موٹا تازہ آدمی ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور لمبا آدمی اُس کے سامنے کھڑا اُس سے باتیں کر رہا ہے۔ کھڑکی بند ہونے کی وجہ سے

بات چیت کا ایک لفظ بھی سُنائی نہ دیتا تھا۔

یکا یک لمبا آدمی اُٹھ کر دوسری طرف بر آمدے میں گیا۔ یہ بر آمدہ چھجے کی طرح سے تھا کیونکہ اس طرف نشیب تھا اور وہاں سے ٹاپ ہاؤس آنے والی سڑک نظر آتی تھی۔

"اب ہمیں یہاں سے چلنا چاہیے۔" عاقِب نے تجویز پیش کی۔ "یہاں کچھ زیادہ معلوم نہ ہو سکے گا۔"

عنبر اس وقت اپنا نچلا ہونٹ مسلنے میں مصروف تھا جس کا مطلب تھا کہ وہ کُچھ سوچ رہا ہے۔ اُس نے عاقِب کو ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ وہاں سے نہیں ہٹے گا۔ اِسی دوران میں لمبا آدمی کمرے میں واپس آ گیا اور اُس نے اتنی زور سے ہنس کر کوئی بات کی کہ اُس کی ہنسی کی آواز باہر بھی سُنائی دی۔

اب موٹا آدمی بر آمدے کی طرف گیا اور چند لمحے بعد اندر آ کر اس نے بھی زور دار قہقہہ لگایا۔ اس کے بعد وہ پھر باتوں میں مصروف ہو گئے۔ اب ان کا رُخ مکان کی دوسری جانب تھا۔

"ہمیں اس لطیفے کا کھوج لگانا ہو گا جس پر وہ دونوں اتنے زور سے ہنسے تھے۔" عنبر نے کہا۔ "اور اس کھوج لگانے کے لیے ہمیں اُس بر آمدے میں جانا پڑے گا۔"

"تمہارا مطلب ہے، مکان کے اندر؟" عاقِب نے تھوک نگلتے ہوئے کہا۔ "نا بابا نا۔ یہ کام تو بڑا خطرناک ہے۔ اگر پکڑے گئے تو معلوم ہے کہ وہ لوگ کیا کریں گے؟"

"ڈرو نہیں۔ ہم آنکھیں بند کر کے تو نہیں جائیں گے۔" عنبر نے کہا۔ "اگر ذرا سا بھی خطرہ ہوا تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔ پھر جن پہاڑیوں میں ملنگی بابا کل صُبح سے غائب ہے اور اُسے کوئی نہیں ڈھونڈ سکا، اُن پہاڑیوں میں ہم اتنی جلدی پکڑے جا سکتے ہیں؟"

بات معقول تھی، اِس لیے عاقِب خاموش ہو گیا۔ دوسری طرف سے جب وہ مکان کے اندر داخل ہوئے تو عنبر نے عاقِب کو بتایا۔ "اِدھر سے وہ کمرا خاصا دُور ہے جہاں وہ دونوں بیٹھے ہیں۔ میں ایک بار یہاں آیا تھا، میری

ایک دوست سے شرط لگ گئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ اندھیری رات میں کوئی بھی ٹاپ ہاؤس میں نہیں جاسکتا۔"

"اچھّا، اب بولو تو نہیں۔" عاقِب نے ڈرتے ہوئے کہا۔ "جلدی سے برآمدے کی طرف چلو۔"

ذرا سی دیر میں وہ برآمدے کے نزدیک پہنچ گئے۔ اتنے میں ہلکی سی آہٹ ہوئی اور لمبا آدمی پھر کمرے نکل کر برآمدے میں آگیا۔ عنبر اور عاقِب ایک دیوار کی آڑ میں چھُپ گئے اور یہ دیکھنے لگے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ لمبا برآمدے میں تین ٹانگوں پر رکھی ہوئی ایک شے پر جھُکا اور پھر اندر چلا گیا۔ اُس کے چند لمحوں کے بعد موٹا برآمدے میں آیا اور وہ بھی جھُکا۔ اس کے واپس جاتے ہی عنبر نے عاقِب سے کہا۔ "تم یہیں ٹھہرو۔ میں دیکھ کر آتا ہوں کہ وہاں کیا ہے؟"

"نن نہیں، اگر وہ آگئے تو؟"

"وہ اتنی جلدی نہیں آئیں گے۔ ان کے دوبارہ آنے میں کم از کم چند منٹ

لگیں گے۔ میں ابھی آیا۔“

عنبر یہ کہہ کر چیتے کی سی پھُرتی سے بر آمدے کی طرف لپکا اور پھر ایک منٹ کے اندر اندر واپس آ گیا۔ واپس آتے ہی اُس نے عاقِب کا ہاتھ پکڑا اور مکان سے نکل کر پھِر پہاڑی نالے والی سمت میں جانے لگا۔ ”کیا تھا وہاں؟“ عاقِب نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”دوربین!“ عنبر نے بھی گہرا سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور جانتے ہو اُس دُوربین سے یہ دونوں آدمی کیا دیکھ رہے ہیں؟“

”شاید ساحلِ سمندر؟“ عاقِب نے خیال ظاہر کیا۔

”نہیں۔ ملنگی بابا کا گھر۔“ عنبر نے تیز تیز چلتے ہوئے کہا۔ اب وہ اُس کمرے کی کھڑکی کے پاس سے گُزر رہے تھے جہاں وہ آدمی باتیں کر رہے تھے۔

”ہمیں فوراً ملنگی بابا کے گھر جا کر اُنہیں بتانا چاہیے کہ اپنی کھڑکیوں پر

پردے لٹکا لیں۔ دُور بین سے صاف دکھائی دے رہا تھا کہ اظہر اور نسیم تاش کھیل رہے ہیں اور بیگم سعید چائے کی تین پیالیاں ٹرے میں لیے کمرے میں۔ دھڑام!"

دھڑام کا لفظ عنبر نے نہیں کہا تھا۔ وہ اچانک کِسی گڑھے میں گِر گیا تھا، اور یہ اُسی کی آواز تھی۔ "ک۔۔۔ کیا ہوا؟" عاقِب خون سے چلّایا۔

"میں نیچے گِر گیا ہوں!" عنبر نے کہا۔ "یہاں شاید کسی جگہ لکڑی کا ایک تختہ رکھا ہوا تھا۔ میرا پاؤں پڑتے ہی وہ ٹوٹ گیا۔ تم نیچے جھک کر مُجھے نکالنے کی کوشش کرو!"

اب چاند طلوع ہو چکا تھا اور اس کی مدھم مدھم کرنیں پھیلنے لگی تھیں۔

عاقِب پیٹ کے بل زمین پر لیٹ گیا اور ایک ہاتھ گڑھے میں ڈال کر کہنے لگا، "اِسے پکڑ لو! میں تمہیں کھینچنے کی کوشش کروں گا۔۔۔ ہوں، بس۔ ٹھیک ہے۔ لو میں زور لگاتا ہوں۔ شاباش!"

چند لمحوں بعد عنبر اُوپر آ گیا۔ لیکن اُسی لمحے عنبر اور عاقِب کے چہروں پر ٹارچ کی روشنی پڑی اور ایک کرخت آواز نے کہا۔ ”شاباش! اب ہلنا نہیں ورنہ گولی مار دوں گا۔ کون ہو تم لوگ؟ اور یہاں کیا کر رہے ہو؟“

پُراسرار فائر

عنبر اور عاقِب ایک لمحے کو بھونچکے رہ گئے۔ ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ یہ آناً فاناً کیا ہو گیا۔ ذرا دیر بعد عنبر نے اپنے حواس جمع کیے اور دیکھا تو ٹاپ ہاؤس کی اس کھڑکی کے کواڑ چوپٹ کھلے ہوئے تھے جس کے باہر وہ دونوں ابھی کچھ دیر پہلے کھڑے تھے۔

”بولتے کیوں نہیں؟ کون ہو تم لوگ اور یہاں کِس لیے آئے ہو؟“ لمبے آدمی نے کہا اور ساتھ ہی بندوق لہرائی۔

”یہاں نہیں۔ انہیں اندر لے چلو۔“ موٹے آدمی نے لمبے آدمی سے کہا۔

”وہاں یہ بتائیں گے کہ یہ کون لوگ ہیں اور یہاں پہاڑیوں میں رات کے وقت کیوں اپنا سر ٹکراتے پھر رہے ہیں۔“

”ہم آپ کو نہیں بتا دیتے ہیں۔“ عنبر نے آنکھیں جھپکتے ہوئے کہا۔ ”میرا نام ہے عنبر۔“

”اور میرا نام ہے، عاقِب۔“ عاقِب نے بھی عنبر کی طرح سچ سچ بتا دیا۔

”اور ہم شاداب نگر سیر سپاٹا کلب کے ممبر ہیں اور یہاں سیر کر رہے تھے کہ نہ جانے کس طرح ایک جگہ لکڑی کا ایک تختہ ٹوٹ گیا اور میں نیچے گِر پڑا۔“ عنبر نے کہا۔

”شاداب نگر سیر سپاٹا کلب۔“ موٹے نے لمبے آدمی سے پوچھا۔ ”کیوں کریم تم اِس نام سے واقف ہو؟“

”جی، نہیں۔“ کریم نے جواب دیا۔ ”جنرل صاحب، میں نے یہ نام پہلے

کبھی نہیں سُنا۔“

”جنرل صاحب!“عنبر نے موٹے آدمی سے کہا۔”کریم صاحب نے یہ نام کیسے سُنا ہو گا۔ اِس کلب کے ابھی صرف پچیس ممبر ہیں اور اِسے بنے ہوئے صرف چار ماہ ہوئے ہیں۔“

”کریم! انہیں اندر لے چلو۔“ جنرل نے کریم سے کہا اور پھر عنبر اور عاقِب کی طرف دیکھ کر بولا۔”باقی حال تمہارے سیر سپاٹے کلب کا اندر سنوں گا۔“

کریم نے بندوق کی نال سے دونوں سُراغ رسانوں کو اندر چلنے کا اشارہ کیا اور اُنہیں اپنے آگے آگے لیے مکان کے اندر پہنچ گیا۔

”میں نے شاید تمہیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔“ جنرل نے اندر پہنچ کر عنبر سے کہا۔

”جی ہاں، جب کل آپ کے یہ کریم صاحب مجھ سے یہاں کا راستہ پوچھ

رہے تھے تو آپ بھی کار میں بیٹھے ہوئے تھے۔"

"اس کا مطلب ہے کہ تمہاری نظر اور ذہن خاصا تیز ہے۔" جنرل نے کہا۔ "اب سیدھی طرح بتاؤ کہ یہاں کیا کر رہے تھے؟"

"ہم سیر کر رہے تھے۔" عنبر نے اطمینان سے کہا۔ "میں نے جناب کو بتایا ہے ہم شاداب نگر سیر سپاٹا کلب کے۔۔۔۔۔"

"بکواس مت کرو۔" جنرل نے ذرا گرم ہوتے ہے کہا۔ "تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری اِن بچگانہ باتوں میں آ جاؤں گا۔"

"جناب، سیر کرنا کوئی بچگانہ کام ہے؟" عنبر نے کہا۔ "ہمارے سکول میں ماسٹر صاحبان تیسری جماعت سے سیر سپاٹا کرنے کے فائدے گنوانا شروع کر دیتے ہیں۔ سیر کرنا ایک بڑی اچھی عادت ہے، خاص طور پر صُبح سویرے یا رات کو کھانا کھانے کے بعد۔"

"خاموش!" جنرل نے زور سے کہا۔ "کریم، یہ ایسے نہیں بتائے گا۔ تمہیں

آگے بڑھنا ہو گا۔"

کریم نے آگے بڑھ کر بندوق جنرل کو تھما دی اور اپنی پتلون سے پیٹی نکال کر عنبر کے ماتھے کے گرد کس دی۔ عنبر نے حالات کا جائزہ لیا۔ ابھی وہ کچھ نہ کر سکتا تھا اِس لیے وہ برداشت کرتا رہا۔

"اب بولو!" جنرل نے کہا "اور ہاں، جو جو میں پوچھوں، بس اُسی کا جواب دینا۔ اَنٹ شنٹ باتوں پر مُجھے غصّہ آ جاتا ہے اور غصّے میں بندوق چل جاتی ہے۔"

"پوچھیے!" عنبر نے کہا۔

"کل تمہارے پیچھے پیچھے جو شخص دُکان سے اُتر رہا تھا، وہ کون ہے؟" جنرل نے پوچھا اور ساتھ ہی بندوق کی نالی لہرائی جس کا مطلب تھا کہ سچ سچ بتایا جائے۔

"وہ ملنگی بابا ہے۔"

”میں اصل نام پوچھ رہا ہوں۔“

”جناب، سارا شاداب نگر اُسے ملنگی بابا کے نام سے جانتا ہے۔۔۔ اُس کا اصل نام کوئی نہیں جانتا۔“

”وہ تمہارا واقف ہے؟“

”وہ سب کا واقف ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”آدھے سے زیادہ قصبہ اُسے جانتا ہے۔“

”میں اُس سے ملنا چاہتا ہوں۔ کہاں رہتا ہے وہ؟“

عاقِب نے بڑی مُشکل سے اپنی زبان کو یہ کہنے سے باز رکھا کہ تم تو اُس کے گھر کی نگرانی کر رہے ہو۔ دُوربین کی مدد سے اور اب ایسے بن رہے ہو جیسے اِس بارے میں تمہیں کچھ بھی پتا نہیں۔

عنبر نے نہ جانے کیوں اِس سوال کے جواب میں خاموش رہا۔

”کیا وہ اُس کا مکان ہے؟“ جنرل نے پوچھا۔ ”اُدھر اوپر آتے ہوئے راستے

میں جو پڑتا ہے؟"

"جی ہاں، کل صُبح میں کریم صاحب سے اِس بات کا ذکر کر چکا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "وہ اُسی کا مکان ہے۔"

"اور اس کے مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، ایک عورت اور ایک تمہاری عمر کا لڑکا؟" جنرل نے زور دے کر کہا۔

"جی ہاں۔ آپ نے صحیح کہا۔" عنبر بولا۔

"تُم نے آج دوپہر اُن لوگوں کی مدد کی تھی۔" جنرل نے کہا۔ "کیا تُم اُن لوگوں کو جانتے ہو؟"

"بس زیادہ نہیں۔ مجھے اِتنا علم ہے کہ وہ ملنگی بابا کے رشتے دار ہیں۔" عنبر نے کہا۔ "اور یہ اُنھوں نے خود ہی مجھے بتایا تھا۔ وہ کائی دُور سے ملنگی بابا سے ملنے آئے ہیں۔"

"میں بھی ملنگی بابا سے ملنا چاہتا ہوں۔" جنرل نے اچانک کہا۔ اُس کے لہجے

میں ایک خاص قسم کا اکھڑ پن پیدا ہو گیا تھا۔ ”کہاں ہے وہ؟“

”یہ میں نہیں جانتا، جناب۔“ عنبر نے کہا۔ ”ملنگی بابا سر پھرا سا آدمی ہے۔ مہمانوں کے آنے سے پہلے ہی وہ نہ جانے کہاں چلا گیا؟“

”مہمانوں سے ملنے بھی نہیں آیا؟“

”نہیں۔“ عنبر نے جواب دیا۔

”میں سچ جاننا چاہتا ہوں۔“ جنرل نے کریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کریم نے پتلون کی پیٹی کا دباؤ عنبر کے سر پر اور بڑھا دیا۔

”میں سچ بتا رہا ہوں۔“ عنبر نے جنرل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”کریم! چھوڑ دو اسے۔“ جنرل نے کریم کو حکم دیا۔ ”ماسٹر عنبر سچ کہہ رہا ہے۔۔۔ اِسے واقعی معلوم نہیں۔“

”مگر جنرل صاحب، یہ لڑکے۔۔۔“ کریم نے کچھ کہنا شروع کیا ہی تھا کہ

جنرل نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے منع کر دیا اور بولا۔ ”اِن دونوں کو جانے دو۔“

”لیکن یہ لڑکے پولیس کو ہمارے بارے میں نہ بتا دیں۔“ کریم نے پتلون کی پیٹی عنبر کے سر سے ہٹاتے ہوئے کہا۔

”کیا بتائیں گے یہ پولیس کو؟“ جنرل نے کہا۔ ”یہ کہ ہم نے اُنہیں کرسیوں پر بٹھایا اور ایک شخص کا اتا پتا پوچھا؟ یہ یہ کوئی جُرم نہیں ہے۔۔۔ ملنگی بابا سے ملنا، یا ملنے کی خواہش کرنا کوئی جُرم نہیں ہے۔ اِسی طرح اُس کے بارے میں پتا کرنا بھی کوئی جرم نہیں ہے۔“

اس کے بعد اس نے عنبر اور عاقِب سے کہا۔ اب تم بھاگ جاؤ یہاں سے اور پھر کبھی کِسی کے گھر کے آس پاس نہ منڈلانا۔“

عنبر اور عاقِب کمرے سے نکلے اور چند لمحے کے اندر اندر مکان سے باہر آ گئے۔ باہر آتے ہی عاقِب نے بہت گہرا اور لمبا سانس لیا اور بولا۔ ”اُفّوہ! میری تو جان ہی نکل گئی تھی۔“

”ہاں، جنرل کا رویّہ کافی سخت تھا۔“

”تم اُسے کافی سخت کہتے ہو؟“ عاقِب نے کہا۔ ”کافی سے بھی کہیں زیادہ سخت تھا۔“

”نہیں زیادہ سخت نہیں تھا، ورنہ وہ میری سچّی بات کو ماننے سے انکار کر کے ہمیں اور پریشان کر سکتا تھا۔“ عنبر نے کہا۔

”تم نے تو سچ سچ بتا دیا سب کچھ۔“ عاقِب بولا۔

”سوائے اس کے کہ وہ عورت اور لڑکا ملنگی بابا کی بیٹی اور نواسا ہیں۔“ عنبر نے ہنستے ہوئے کہا۔ اب وہ ٹاپ ہاؤس سے کچھ دُور آ گئے تھے کہ اچانک ایک زور دار فائر کی آواز آئی۔ ”دھائیں!“

گولی عنبر اور عاقِب کے سروں کے اُوپر سے گزری تھی!

”لیٹ جاؤ!“ عنبر یہ کہتے ہوئے سڑک پر لیٹ گیا۔ وہ کچھ دیر تک لیٹے رہے، مگر اس کے بعد کوئی فائر نہ ہوا۔

عنبر اِس دوران اپنا نچلا ہونٹ مسلتا رہا تھا۔ جب وہ اُٹھا تو بولا۔ ”یہ فائر ٹاپ ہاؤس کی طرف سے نہیں آیا تھا!“

”تو؟“ عاقِب نے کپڑے جھاڑتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔ ”پہاڑیوں کی طرف سے آیا ہے۔۔۔ ٹاپ ہاؤس کی پُشت پر واقع پہاڑیوں کی طرف سے!“

”ہو سکتا ہے جنرل اور کریم نے غلط جگہ سے فائر کر کے ہم لوگوں کو ڈرایا ہو تاکہ ہم یہاں آئندہ نہ آئیں۔“ عاقِب نے خیال ظاہر کیا۔

”نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”یوں لگتا ہے کہ کوئی شخص پہلے سے وہاں بیٹھا ہوا ہم لوگوں کے آنے کا منتظر تھا۔ میں کہتا ہوں یہ جنرل اور کریم کے سوا کسی تیسرے آدمی کا کام ہے!“

”تیسرا آدمی؟“ عاقِب نے حیرت سے کہا۔ ”وہ کون ہو سکتا ہے؟“

”ممکن ہے وہ فاروق ہو!“ عنبر نے کہا۔ ”لیکن ابھی میں یقین سے نہیں کہہ

سکتا۔“

پھِر وُہی نشان!

ملنگی بابا کے ڈیرے پر پہنچ کہ عنبر نے دروازے پر دستک دی۔ نسیم نے پوچھا۔ ”کون ہے؟“

”ہم میں، عنبر اور عاقِب۔“

نسیم نے اندر جا کے پہلے بیگم سعید اور اظہر کو بتایا اور تب اُن سے چابیاں لے کے تالا کھول کر عنبر اور عاقِب کو اندر بلا لیا۔

”میں تو ڈر ہی گیا تھا۔“ نسیم نے کہا۔

"اور میرا دل بھی دھک دھک کرنے لگا تھا۔" اظہر نے کہا۔

بیگم سعید نے دوسرے کمرے میں سے اندر آتے ہوئے کہا۔ "عنبر یہ فائر کی آواز کیسی تھی؟"

"کسی نے ہوائی فائر کیا تھا۔" عنبر نے کہا۔ "ہم باہر تھے اس وقت۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔"

"تم لوگ باہر کیا کر رہے تھے؟" بیگم سعید نے پوچھا۔ "ہم ایسے ہی چہل قدمی کرنے کو نکلے تھے۔ راہ میں دھیان آیا کہ اُوپر ٹاپ ہاؤس میں کل ہی دو آدمی آکے ٹھہرے ہیں اور اُس مکان کا چھجے نمابر آمدہ ایسی جگہ ہے کہ وہاں سے آپ کے مکان کا یہ کمرا نظر آتا ہے۔ میں نے سوچا کہ احتیاطاً آپ لوگوں کو بتاتا چلوں تاکہ آپ کمرے کی کھڑکیوں پر پردے لٹکا دیں۔"

"یہ تو تم نے بہت اچھا کیا ہے، بیٹے۔" بیگم سعید نے کہا۔ "تمہارا شکریہ۔"

”اس میں شکریے کی کوئی بات نہیں۔“عنبر نے کہا۔ ”یہ تو میرا فرض تھا۔ اچھا، اب ہم چلتے ہیں۔“

”نہیں۔ دو منٹ کے لیے بیٹھو۔ میں چائے بنا کے لاتی ہوں۔“ بیگم سعید نے کہا۔

”امّی ذرا دھیان سے جانا۔ کبھی پھِر وہاں۔۔۔۔۔“ اظہر نے کہا۔

”گھبراؤ مت۔“ بیگم سعید نے کہا۔ ”اب ہر وقت تو وہ نشان پیدا نہیں ہوتے رہیں گے۔“

بیگم سعید کے باورچی خانے میں چلے جانے کے بعد عنبر نے نسیم اور اظہر کو ٹاپ ہاؤس جانے کا پورا قصّہ سُنایا اور دُوربین سے ہونے والی نگرانی کا بتا کر یہ بھی سمجھا دیا کہ بیگم سعید کو اِس بات کا پتا نہ چلے۔ وہ گھبرا جائیں گی۔

”تو تمہارے خیال میں ہمیں اُس طرف سے خطرہ ہے؟“ اظہر نے فکر مندانہ لہجے میں پوچھا۔

”نہیں، جنرل اور کریم کو تم سے یا تمہاری امّی سے کوئی سروکار نہیں۔“عنبر نے سمجھایا۔ ”وہ تو صرف ملنگی بابا سے ملنا چاہتے ہیں۔“

”کیوں؟“نسیم نے کہا۔

”یہ تو مجھے معلوم نہیں۔“

”اظہر، کیا تم، تمہاری امّی یا نانی نے کبھی بہرام پور نامی ریاست کا نام سُنا ہے؟“ اچانک عنبر نے پوچھا۔

”میرا خیال ہے، ہم نے کبھی اس کا نام نہیں سنا۔“ اظہر نے کہا۔ ”کیوں، کیا یہ کوئی بہت اہم بات ہے؟“

”نہیں، ایسے ہی پوچھ لیا تھا۔“عنبر نے کہا۔ ”دراصل ہمارے خیال میں تمہارے نانا کا تعلّق کسی نہ کسی طرح ریاست بہرام پور سے ہے۔“

ابھی وہ لوگ باتیں کر ہی رہے تھے کہ بیگم سعید چائے لے کر آ گئیں۔ وہ چائے بناتے ہوئے بولیں "ہاں بھئی، تم نے اپنے دوست کو یہاں بھیج کر ہم پر بڑا احسان کیا۔ اس طرح اظہر کا جی لگا رہے گا۔"

"ویسے آپ کو کوئی پریشانی تو نہیں نا؟" عنبر نے پوچھا۔

"نہیں۔" بیگم سعید نے چائے کی پہلی پیالی عنبر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ "البتّہ ابھی ابھی تم لوگوں سے ذرا پہلے وہ فاروق صاحب آئے تھے ہمیں بور کرنے۔۔۔ کہہ رہے رہے تھے، اگر ہمیں کسی قسم کی کوئی پریشانی ہو تو وہ خدمت کے لیے حاضر ہیں۔"

"پھر؟" عاقِب نے پوچھا۔

"میں نے کہہ دیا کہ آپ بار بار ہمیں نہ ستائیں تو مہربانی ہو گی، اور یہی ہماری خدمت ہو گی۔۔۔ بھئی، یہ فاروق مجھے عجیب سا آدمی لگتا ہے۔ اتنا شاندار اور ایک سے ایک نیا لباس پہنتا ہے کہ بس نہ پوچھو اور کار دیکھو تو ٹوٹی پھوٹی فورڈ!"

”ہاں، اس بات پر میں بھی حیران ہوں۔“عنبر نے کہا۔ ”اُس کے حلیے کے مطابق تو اُس کے پاس مرسیڈیز کار ہونی چاہیئے۔“

چائے پینے کے بعد کُچھ دیر گپ شپ کر کے عنبر اور عاقِب اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر اجازت لے کر باہر نکل آئے۔ ابھی وہ لان عُبور کر رہے تھے اور نسیم دروازے میں تالا لگانے والا تھا کہ اندر سے بیگم سعید کی آواز آئی۔

”نسیم! عنبر اور اُس کے دوست کو روکو! یہاں پھر وہی نشان آ گئے ہیں!“

نسیم نے جھٹ پٹ تالا کھولا اور عنبر اور عاقِب کو آواز دی۔ عاقِب اور عنبر اندر گئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ قدموں کے اُسی طرح کے جلتے ہوئے تین نشان دوسرے کمرے میں نظر آ رہے ہیں اور بیگم سعید دروازے میں کھڑی پھٹی پھٹی آنکھوں سے اُن کو دیکھے جا رہی ہیں۔۔۔ دیکھے جا رہی ہیں!

ایک اور دو سر والے شاہین

عنبر، عاقِب اور نسیم نے جلدی جلدی آگ بجھائی اور اُس کے بعد عنبر نے اس جگہ سے مٹّی کھرچ کہ سونگھا۔

"لگتا ہے اِس بار جس بھُوت سے ہمیں واسطہ پڑا ہے، وہ سائنس میں پی ایچ ڈی ہے۔" نسیم نے کہا۔

"ہوں! میرا خیال ہے آگ لگانے کے لیے پٹرول یا اسپرٹ استعمال کی گئی ہے۔" عنبر سونگھتے ہوئے بولا۔ "اور سبز رنگ پیدا کرنے کے لیے کوئی

کیمیائی مادّہ اس میں ملایا گیا ہے۔"

"تبھی تو میں نے کہا تھا کہ۔۔۔۔" نسیم نے اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ دیا کیونکہ بیگم سعید کچھ پریشان تھیں اور وہ اُنہیں اور پریشان نہ کرنا چاہتا تھا۔

"آج رات تو ہم یہاں ٹھہر جاتے ہیں، لیکن کل شاداب ہوٹل چلے جائیں گے۔" بیگم سعید نے کہا۔ "اب تو مجھے ابّا پر غصّہ آنے لگا ہے۔ وہ ہمیں اس طرح اجنبی شہر میں بے یار و مددگار چھوڑ کر نہ جانے کہاں چلے گئے ہیں! میں پولیس میں رپورٹ لکھوانے جا رہی ہوں۔ ان سے کہوں گی وہ اُنہیں باقاعدہ تلاش کریں۔"

"میرا خیال ہے، آپ اس وقت اطمینان سو جائیں اور صُبح تھانے میں رپورٹ لکھوا دیں۔ باقی رہے یہ پُراسرار نشانات، تو اِن کو پولیس والے دِن میں دیکھ ہی چکے ہیں اور جلی ہوئی جگہ کا نمونہ بھی لے چکے ہیں۔ اِن کے بارے میں وہ اُسی وقت کچھ فیصلہ کریں گے جب لیبارٹری سے رپورٹ آئے گی۔"

بیگم سعید نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”لیکن شاید رات کو مجھے نیند نہ آ سکے۔“

”اگر آپ کو ہماری موجودگی میں نیند آ سکے تو ہم سب یہاں رہ جاتے ہیں۔“عنبر نے تجویز پیش کی۔

”وہ تو ٹھیک ہے، لیکن یہاں پلنگ بھی تو اتنے نہیں ہیں۔“ بیگم سعید نے کہا۔ ”اور پھر تمہاری خالہ۔۔۔۔“

”میں اور عاقِب پٹرول پمپ سے اپنے اپنے گھر ٹیلے فون کر آتے ہیں کہ ہم رات آپ کے ہاں گزار رہے ہیں، اُمّید ہے ہمارے گھر والوں کو کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“عنبر نے کہا۔

عنبر کی خالہ نے تو آسانی سے اجازت دے دی۔ عاقِب کی امّی نے ایک دو منٹ تکرار کی مگر پھر یہ سُن کے اجازت دے دی کہ عنبر بھی اُس کے ساتھ رہے گا۔ جب بیگم سعید سو گئیں تو عنبر نے کہا۔

”اب ہمارا کام شروع ہو گا۔“

”ہمارا کام؟“ نسیم نے حیرت سے کہا۔

”ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اظہر تم جاگ رہے ہو نا؟“

”بالکل۔“ اظہر نے اُٹھتے ہوئے کہا۔ ”کیا پروگرام ہے تمہارا؟“

”میں اس کمرے کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”جس کمرے میں تمہارے نانا جان نے مٹّی چینی کا دو سروں والا شاہین بنا کر ایک دیوار پر لگا رکھا ہے۔ تم جانتے ہو کہ ایسا ہی ایک شاہین تمہارے نانا جان اپنے گلے میں بھی ڈالے رکھتے ہیں۔“

”اس شاہین میں کوئی خاص بات ہے؟“ اظہر نے پوچھا۔

”اس کا تو پتا نہیں۔“ عاقِب نے کہا۔ ”لیکن دراصل وہ ریاست بہرام پور کا شاہی نشان ہے اور ریاست کے تاج پر بھی بنا ہوا ہے۔“

”اچھّا؟“ اظہر نے حیرت سے کہا۔ ”تو تمہارا خیال ہے کہ نانا جان کا اِس

ریاست سے کوئی تعلّق ہے یا تھا؟“

”ہاں، ہو سکتا ہے۔“ نسیم نے کہا۔

”ہم اسی سلسلے میں کمرے کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”کیا تمھیں یہ عجیب سا نہیں لگتا کہ تمھارے نانا جان نے اپنے مکان کے سب سے خوب صورت کمرے میں ریاست بہرام پور کا شاہی نشان بنا رکھا ہے اور وہ کمرا اپنے استعمال میں نہیں لاتے۔“

”ہاں، یہ بات حیرت ناک ہے۔“ اظہر نے کہا۔ ”آؤ چل کر دیکھتے ہیں۔“

”مگر ہمیں احتیاط سے کام لینا ہو گا۔“ عنبر نے بتایا۔ ”کہیں تمھاری امّی کی آنکھ نہ کھل جائے۔“

”نہیں، ہمیں گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔“ اظہر نے مُسکراتے ہوئے کہا۔ ”جب امّی ایک بار سو جائیں تو پھر صُبح سے پہلے اُن کی آنکھ نہیں کھلتی، چاہے اُن کے سرہانے کوئی ڈھول ہی کیوں نہ بجاتا رہے۔“

”تو چلو، اُس کمرے میں چلتے ہیں۔“ عنبر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔
کمرے میں پہنچتے ہی اُنہیں ایسے لگا جیسے دیوار پر لگا ہوا دو سروں والا شاہین اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے اُن کو گھور رہا ہو۔

عنبر نے اُس کو انگلیوں سے چھوتے ہوئے کہا۔ ”یوں لگتا ہے کہ یہ نشان مٹّی چینی کی اِس پلیٹ میں بنانے کے بعد ملنگی بابا نے اِس دیوار پر سیمنٹ سے چپکا دیا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے درمیان ذرا سی بھی جگہ نہیں۔

اظہر دوسرے کمرے میں سے ایک پیچ کس اُٹھا لایا۔ ”اس سے تھوڑا سا کھُرچ کر دیکھو۔“

”نہیں، کوئی فائدہ نہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”ان کے درمیان اتنی جگہ ہی نہیں کہ اسے کھُرچا جا سکے۔ پھر کھُرچنے سے فائدہ بھی کوئی نہیں۔ میرا خیال تھا کہ شاید اس نشان کے پیچھے کوئی خفیہ خانہ ہو یا کوئی کاغذ یا کچھ!“

عاقِب اُس نشان کو مسلسل گھورے جا رہا تھا اور نیچے سے اُوپر اور اُوپر سے نیچے نظریں دوڑا رہا تھا۔ وہ بولا۔ ”عنبر، یہ نشان چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں

میں بنا کر دیوار پر لگایا گیا ہے۔"

"اچھا؟" عنبر نے حیرت سے کہا۔

"اُدھر ہاتھ پھیر کر دیکھو۔" عاقِب نے ایک طرف کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "وہاں جوڑ کا نشان نظر آتا ہے۔"

"نسیم ذرا ایک کرسی تو لے آؤ۔" عنبر نے اُس طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا اور پھر عاقِب سے بولا۔ "تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔"

کرسی آ گئی تو عنبر نے اُس پر کھڑے ہو کر اُس جگہ ہاتھ پھیرا۔ وہاں واقعی جوڑ کا نشان تھا۔ ملنگی بابا نے کتنی صفائی سے اُن ٹکڑوں کو جوڑا تھا۔ ایک آدھ جگہ کے سوا اور کسی جگہ بھی جوڑ کا نشان نظر نہ آ رہا تھا۔ عنبر جگہ جگہ ہاتھ پھیر کر دیکھ رہا تھا۔ یکایک وہ بولا "یہ آنکھیں!"

"کیا؟"

"یہ آنکھیں بھی بعد میں لگائی گئی ہیں۔۔۔ ان پر ہاتھ پھیرنے سے پتہ چلتا

ہے کہ۔۔۔۔۔ ارے؟“

دراصل ہوا یوں تھا کہ جب اس نے دائیں سر والی آنکھ پر ہاتھ پھیرا تو اُس کا توازن خراب ہو گیا اور وہ کرسی سے نیچے گِرنے لگا۔ اُس نے پھرتی سے آنکھ پر ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اپنا وزن کرسی پر کم کرنا چاہا۔ اس کوشش میں وہ کام یاب تو ہو گیا لیکن آنکھ پر دباؤ پڑا تو ہلکی سی چرررر کی آواز کے ساتھ نشان پورا کا پورا بائیں طرف کو ہٹ گیا اور اُس کے پیچھے ایک چھوٹا سا کمرا نمودار ہو گیا!“

”خفیہ کمرا؟“ اظہر نے حیرت سے کہا۔ ”تمہارا خیال ٹھیک ہی تھا۔“

”آؤ، اس کمرے کے اندر جا کر دیکھتے ہیں کہ تمہارے نانا جان عرف ملنگی بابا نے یہاں کیا چھپایا ہوا ہے۔“

اُس کمرے میں صرف ایک الماری تھی اور اس میں بہت سارے پرانے اخبار رکھے ہوئے تھے۔ ان کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔

”اتنا خفیہ کمرا اور صرف پرانے اخبار؟“ نسیم نے مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”یہ اخبار یقیناً کسی خاص مقصد سے یہاں رکھے گئے ہیں۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں نہیں مان سکتا کہ ملنگی بابا نے خواہ مخواہ۔۔۔۔ ارے! دیکھو! اِدھر آؤ اظہر! اس اخبار میں تمہارے پیدا ہونے کی خبر ہے اور اس پر ملنگی بابا نے نشان لگایا ہوا ہے!“ اظہر نے جھک کر خبر پڑھی اور پھر بولا۔ ”ہاں۔ تم ٹھیک کہتے ہو۔“

اسی طرح سب اخباروں میں مسٹر سعید، بیگم سعید یا سعید کی والدہ یا اظہر کے بارے میں خبریں تھیں۔ عنبر نے یہ سب اخبار واپس الماری میں رکھ دیے اور کمرے کی دیواروں کا غور سے جائزہ لینے لگا۔ اس الماری کے سوا تمام کمرا خالی تھا۔ اچانک وہ نیچے جھکا۔ ایک دیوار میں آتش دان بنا ہوا تھا جس میں لکڑی کی راکھ جھاڑتے کے لیے لوہے کی جالی لگی ہوئی تھی۔ عنبر نے آتشدان کے اندر سر ڈال کر دیکھا اور پھر اعلان کیا کہ یہ آتشدان نقلی

ہے؟"

"نقلی؟" سب حیرت سے چیخ پڑے۔

"ہاں، نقلی۔" عنبر نے کہا۔ "اس میں دُھویں کے لیے چمنی نہیں ہے۔۔۔۔۔ اور اس کا مطلب ہے کہ اس آتشدان میں بھی کوئی خاص بات ہے۔"

ابھی عنبر اس آتشدان کا جائزہ لے رہا تھا کہ یکایک جالی اُس کے ہاتھ میں آ گئی۔ جالی کے اندر ایک لفافہ پھنسا ہوا تھا۔ اُس نے یہ لفافہ اُٹھالیا اور اظہر سے کہا:

"یہ لفافہ تمہارے نانا جان نے یہاں چھپایا ہے، اور وہ اِس وقت یہاں موجود نہیں ہیں۔ اگر تُم اسے کھولنے کی اجازت دو تو میں دیکھوں کہ اِس میں کیا چیز ہے۔"

"تم دیکھ سکتے ہو۔" اظہر نے کہا اور عنبر نے بے تابی سے لفافے کو کھولا۔

عاقِب، نسیم اور اظہر تینوں عنبر کے اُوپر جھک گئے۔ لفافے کے اندر سے ایک کاغذ نکلا جو کافی پرانا اور تہہ کیا ہوا تھا۔ اس کاغذ پر مندرجہ ذیل تحریر تھی:

"اعلیٰ حضرت شاہ نورین دَام ظلّہ، نہایت مسرّت سے محمد فرزین ولد محمد نوشین کو شاہی خزانچی مقرّر کرتے ہیں۔ اس کے صلے میں اُنہیں دس ہزار روپے سالانہ دیے جائیں گے۔ آج بتاریخ یکم جنوری ۱۹۳۵ء کو ہمارے حکم اور مُہر سے جاری کیا گیا۔"

اس کے بعد ایک دستخط اور نیچے وہی دو سروں والے شاہین کی مہر لگی ہوئی تھی۔

"وہی پرانا نشان۔" عاقِب نے کہا۔

"اس خط میں دو آدمیوں کا ذکر ہے۔۔۔ شاہ نورین اور محمد فرزین اور ملنگی بابا کا یقیناً ریاست بہرام پور کے اِن دونوں آدمیوں سے گہرا تعلّق رہا ہو گا۔" نسیم نے کہا۔

"ہو سکتا ہے کہ ملنگی بابا ہی شاہ نورین ہو!" عنبر بولا۔

"آخر اُسے اپنے کمرے میں شاہی نشان بنانے اور اس کے پیچھے یہ سب کُچھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"تم ٹھیک کہتے ہو۔" عاقِب نے کہا۔

"میرے خیال میں اَن چیزوں کو اُسی طرح رکھ دینا چاہیے۔" عنبر نے یہ کہہ کر کاغذ کو تہہ کر کے لفافے میں رکھ دیا۔ پھر لفافہ جالی کے نیچے پھنسا کر جالی کو آتش دان میں رکھ دیا۔ اُس کے بعد وہ اس کمرے سے نکل آئے اور نشان کو اپنی پرانی جگہ پر دھکیل دیا۔ یہ کام کوئی مشکل نہ تھا بس عنبر نے اپنی انگلی شاہین کی دوسری آنکھ پر زور سے رکھی اور پورا کا پورا نشان خالی جگہ پر واپس آ گیا۔

"میرا خیال ہے ہمیں اس گُل دان کو بھی ایک مرتبہ غور سے دیکھنا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "جو ملنگی بابا نے راستے کے دونوں طرف زمین میں لگا رکھے ہیں۔

”ہاں، ہو سکتا ہے اُن میں بھی کوئی بھید ہو۔“نسیم بولا۔”ان میں سے بھی کئی پر ملنگی بابا نے دو سروں والا شاہین بنایا ہوا ہے۔“

چاروں لڑکے اب دروازے کی طرف بڑھے اور دروازہ کھول کر اُس راستے پر آ گئے جو گیٹ سے ڈیوڑھی کی طرف جاتا تھا اور لان کے بیچوں بیچ سے گُزرتا تھا۔ اُسی راستے کے دونوں جانب بڑے بڑے مٹّی چینی کے گُل دان فرش میں مضبوطی سے گڑے ہوئے تھے، جو راستے کو سجانے کے لیے لگائے گئے تھے اور ان میں سے بہت سوں پر دو سروں والے شاہین بنے ہوئے تھے۔ ان گُل دانوں کی اُونچائی عنبر کے کندھے تک تھی اور دور سے دیکھنے پر بہت پیارے لگتے تھے۔

تینوں سُراغ رساں بڑے غور سے اُنہیں دیکھنے لگے۔ اظہر بھی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا کہ یکایک عنبر نے دیکھا کہ ایک گُل دان پر بنے ہوئے شاہین کا صرف ایک ہی سر ہے۔

”ارے! یہ کیا؟“عنبر نے حیرت سے کہا۔”ایک سر والا شاہین!“

”یوں لگتا ہے کہ یہ کوئی خاص چیز ہے۔“ عاقِب نے کہا۔

”مگر ملنگی بابا تو دو سروں والا شاہین بناتے ہیں، ایک سر والا نہیں۔“ نسیم نے کہا۔ ”ہاں، مگر یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ملنگی بابا نے غَلَطی سے اِس کا ایک ہی سر بنایا ہو اور دوسرا سر بنانا بھول گئے ہوں۔“ عاقِب نے کہا۔

”نہیں۔“ عنبر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ”دو سروں والا شاہین ملنگی بابا کو اس قدر پسند تھا کہ وہ کوئی غَلَطی نہیں کر سکتے تھے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ یہ ایک سر بھی اُنہوں نے جان کر بنایا ہو گا۔“ اظہر بولا۔

”ہاں۔“ عنبر نے کہا۔ ”اس کا ضرور کُچھ نہ کُچھ مطلب ہو گا۔“ عنبر نے پنجوں کے بل کھڑے ہو کر گُل دان کے اندر جھانکا مگر اُس کے اندر کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے باقی گُل دانوں کے اندر بھی جھانک کر دیکھا۔ کسی گُل دان میں بھی کوئی چیز نہ تھی۔ سب کے سب خالی تھے۔

”پھر نانا جان نے اِس پر ایک سر کیوں بنایا؟“ اظہر سوچتے ہوئے بولا۔

”اب رات زیادہ ہو گئی ہے۔ ہمیں سو جانا چاہیے۔“ عنبر نے کہا ”باقی رہا ایک سر والا شاہین تو اِس بے چارے کو فی الحال یہیں بسیرا کرنے دو۔“

پُراسرار مسافر

اُس رات تو بیگم سعید کہہ رہی تھیں کہ صُبح کو وہ شاداب ہوٹل چلی جائیں گی، لیکن صُبح ہوتے ہوتے اُن کا ارادہ بدل چکا تھا۔

"میں اپنے باپ کے گھر سے کہیں نہیں جاؤں گی۔ چاہے سبز نشان کے ساتھ ساتھ نیلے، لال اور پیلے جلتے ہوئے نشان بھی کیوں نظر آنے لگیں۔" اُنھوں نے اعلان کیا۔

عنبر، نسیم اور عاقِب یہ سُن کر حیران رہ گئے۔ وہ سوچ بھی نہ سکتے تھے کہ

رات کی گہری نیند انسان کے ارادے تبدیل کر سکتی ہے۔

ناشتے کے بعد بیگم سعید رات کے نشانات کے بارے میں پولیس کو اطلاع دینے چلی گئیں۔ تینوں ناشتے کے بعد تینوں سُراغ رساں بھی دوپہر کو خفیہ ہیڈ کوارٹر میں ملنے کا طے کر کے اپنے اپنے گھر چلے گئے۔۔۔ ہاں عاقِب سے عنبر نے کہا کہ پبلک لائبریری سے ریاست بہرام پور کے بارے میں جتنی بھی معلومات حاصل ہو سکیں لیتا آئے۔

عنبر کے لیے خالہ جان نے پہلے سے کام رکھا ہوا تھا۔ اس کو دوپہر تک چند کرسیوں پر روغن کرنا تھا۔ عنبر جاتے ہی اِس کام پر لگ گیا تاکہ میٹنگ سے پہلے پہلے اِس کام کو مکمل کر لے۔ ساتھ ہی ساتھ کچھ سوچ بھی رہا تھا۔ اچانک وہ کام بیچ میں چھوڑ کر اُٹھا اور خفیہ ہیڈ کوارٹر جا کر شاداب ہوٹل ٹیلے فون کرنے لگا۔ ”مجھے مسٹر فاروق سے بات کرنا ہے۔“

”آپ کا نام؟“

”میں اُن کا ایک پرانا دوست ہوں۔“

”اچھا، آپ چند منٹ انتظار کریں۔ ہم انہیں بُلاتے ہیں۔“ مینجر نے کہا۔

چند منٹ بعد فاروق کی آواز آئی۔ ”ہیلو! کون صاحب ہیں؟“

عنبر نے ذرا آواز کو بھاری بناتے ہوئے ”تمہارا دوست۔“

”کون؟“

”بڑا افسوس ہے۔ اب میں تمہیں اپنا نام بھی بتاؤں؟“

”اوہ! اچھا، اچھا۔ تُم انور بول رہے ہو شاید۔“

”شاید نہیں سچ مُچ۔ میں آج ہی شاداب نگر آیا ہوں اور ساحل پر مچھلیاں پکڑنے جا رہا ہوں۔ تم بھی آجاؤ ذرا مزہ رہے گا۔“

”اچھا میں ابھی آتا ہوں۔ مگر تُم چُپکے سے ایک دم یہاں کیسے آن ٹپکے؟“ فاروق نے حیرت سے کہا۔

”یہ ملاقات ہونے پر بتاؤں گا۔“ عنبر نے جواب دیا۔ ”اچھا، خدا حافظ۔“ اور جھٹ ٹیلے فون بند کر دیا۔ اِس کے بعد وہ واپس اپنے کام میں لگ گیا۔

اور کام نپٹا کے ٹیکسی میں بیٹھ کر شاداب ہوٹل چلا گیا۔ ہوٹل کے مینجر سے سلام دعا کے بعد عنبر نے کہا۔ ”مجھے مسٹر فاروق سے ملنا ہے۔“

”وہ تو ابھی باہر گئے ہیں۔“ مینجر نے بتایا۔

”اوہ!“ عنبر کا چہرہ اُتر گیا۔ ”مجھے تو اُنہیں ایک ضروری پیغام دینا تھا۔“

”آپ پیغام کاغذ پر لکھ دیں۔ اس وقت لوگ باہر گئے ہوئے ہیں اور جمعدار کمروں کی صفائی کر رہا ہے۔ وہ کاغذ اُسے دے دیں۔“

”شکریہ۔“ عنبر سیدھا فاروق کے کمرے میں پہنچا۔ جمعدار اُس کمرے میں ابھی ابھی ہو کر گیا تھا کیونکہ ابھی اس نے اس کا تالا نہیں لگایا تھا۔ عنبر نے کمرے کے اندر پہنچ کر کواڑ بند کر دیے اور جلدی جلدی فاروق کے سامان کو دیکھنے لگا۔ اس کا سامان دو تین اٹیچی کیسوں پر مشتمل اور وہ کھلے پڑے تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے انور اُس کا کوئی بہت ہی گہرا دوست ہے، اس لیے وہ اس سے ملنے کی جلدی میں سب کچھ یوں ہی کھُلا چھوڑ گیا۔

عنبر نے باری باری دو اٹیچی کیس دیکھے۔ وہ نئے کپڑوں سے بھرے ہوئے تھے۔ ایک سے ایک نیا لباس تھا۔ بعض کپڑوں کے ساتھ تو قیمت کی چٹ بھی ابھی تک لگی ہوئی تھی۔ کپڑوں کے علاوہ اُن میں اور کچھ نہ تھا۔

اس کے بعد عنبر نے تیسرے اٹیچی کیس کی تلاشی لی۔ اس میں بھی نئے کپڑے ہی رکھے تھے، ایک کونے میں ایک مشہور سینٹ کی شیشی تھی جس کی قیمت کئی سو روپے ہو گی۔ کپڑوں کے بالکل نیچے چند اخبار تھے۔ کچھ لاہور کے، کچھ مُلتان کے، کچھ راولپنڈی کے اور کُچھ کراچی کے۔ اس کے علاوہ ایک کریڈٹ کارڈ تھا جس پر نام لکھا ہوا تھا، حبیب الرحمان۔

عنبر نے ایک اخبار کو احتیاط سے کھولا۔ اس پر ۲۱ اپریل کی تاریخ پڑی ہوئی تھی اور دوسرے صفحے پر ایک چھوٹے سے اشتہار کے گرد سیاہ پنسل سے حلقہ بنایا گیا تھا۔ یہ اشتہار یوں تھا:

پیارے نیرون کے لیے۔ تُم جہاں بھی ہو، مجھے جلد ملو۔ نیز رف، تمہارا بھائی۔ پوسٹ بکس نمبر ۱۲۱۵ شاداب نگر۔

عنبر نے باقی اخباروں کو بھی احتیاط سے کھولا۔ ان میں بھی یہی اشتہار چھپا ہوا تھا۔ اُس نے جلدی جلدی اخبار تہہ کر کے پھر اٹیچی میں رکھ دیے اور اُن کے اوپر اِسی ترتیب سے کپڑے رکھنے لگا جس ترتیب سے پہلے رکھے ہوئے تھے۔

اُسی لمحے کمرے کا دروازہ کھُلا۔ لیکن اِس سے پہلے کہ کوئی اندر آتا، عنبر جھپٹ کر ایک پردے کے پیچھے چھُپ گیا۔ آنے والا شخص فاروق تھا۔ اُس نے بھد سے کوئی چیز بستر پر پھینکی اور غُسل خانے میں گھُس گیا۔

عنبر نے موقعے کو غنیمت جانا اور تِیر کی طرح پردے کے پیچھے سے نِکل کر دروازے کی طرف لپکا اور آناً فاناً کمرے سے باہر نکل گیا۔ البتّہ اُس نے ایک نظر بستر پر ضرور ڈالی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ وہ خوش باش پکنک منانے والا نوجوان بستر پر اپنا پستول پھینک گیا تھا!

بہرام پور کا خزانچی

جب عنبر خفیہ ہیڈ کوارٹر پہنچا تو نسیم اور عاقِب پہلے سے وہاں موجود تھے اور اُس کا انتظار کر رہے تھے۔

”سُراغ رساں نمبر ایک! کیا تم جانتے ہو کہ تم نے دیر کر دی ہے؟“ نسیم نے کہا۔

”ہاں نمبر دو۔ لیکن اس دیر کی ایک وجہ ہے۔“ عنبر نے جواب دیا۔

”اگر وہ کوئی لنگڑا بہانہ نہیں ہے تو فوراً ہمارے سامنے بیان کیا جائے۔“

عاقِب نے کہا۔

"میں اس خوش پوشاک شخص کے بارے میں چھان بین کرنے گیا تھا، جسے فاروق کہتے ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"کہتے ہیں؟ یعنی کیا مطلب؟ کیا اُس کا اصلی نام یہ نہیں؟" نسیم نے پوچھا۔

"یہ تو میں نہیں کہہ سکتا کہ اُس کا اصلی نام کیا ہے؟" عنبر نے کہا۔ "لیکن اس کا اصلی نام فاروق نہیں ہے۔"

"وہ کیسے؟" عاقِب بولا۔ "ہمیں ساری تفصیل بتائی جائے تاکہ ہم سب اُس پر غور فرما سکیں۔"

"وہی تو میں بتانے لگا ہوں۔" عنبر نے کہا۔ "جب سے میں نے اُس شخص کی پرانی سی فورڈ کار اور نئے سے نیا لباس دیکھا تھا۔ تبھی سے سوچ میں تھا کہ یہ شخص محض مچھلیاں پکڑنے اور پکنک منانے کے لیے شاداب نگر نہیں آیا ہے۔ پھر جس دِن میری کمر پر لات مار کر ملنگی بابا کے کمرے میں

گرایا گیا تو اُس دِن فاروق کی کار ڈیرے سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اس کے بعد وہ بیگم سعید سے ملنے کے بہانے ڈیرے پر گیا تھا۔ یہ ساری باتیں مجھے اُکسا رہی تھیں کہ اُس کے سامان کا جائزہ لوں۔ چنانچہ مجھے دو چیزیں ملیں!"

"کہاں ہیں وہ چیزیں؟" نسیم نے کہا۔ "ہمیں بھی دکھاؤ۔"

"بھئی، میرا مطلب ہے، میں نے دو ایسی چیزوں کو دیکھا ہے جو میرے اِس خیال کی تصدیق کرتی ہیں۔" عنبر نے کہا۔

"کیا کیا؟" عاقِب نے کہا۔

"ایک تو پستول اور دوسرے مختلف شہروں سے نکلنے والے اخبارات کے ۲۱ اپریل کے شمارے میں شائع ہونے والا ایک اشتہار، جس کے سلسلے میں فاروق شاداب نگر آیا ہے۔"

"کیسا اشتہار؟"

عنبر نے اشتہار کی عبارت زبانی یاد کر لی تھی۔ اُس نے یہ دونوں سُراغ رسانوں کو سُنا کر کہا۔ ”اب ہم اس عبارت پر غور کریں گے اور یہ بھی سوچیں گے کہ پکنک منانے والا یہ شخص یہاں پستول کیوں لے کر آیا ہے، اور جب وہ اپنے دوستوں سے ملنے جاتا ہے تو پستول کیوں لے جاتا ہے!“

”دوستوں سے!“ نسیم نے کہا۔ ”یہ دوستوں کا ذکر کہاں سے آ گیا؟“

عنبر نے کہا۔ ”میں نے اُس کے کمرے کی تلاشی لینے کے لیے یہ منصوبہ بنایا کہ۔۔۔۔۔“

جب عنبر ساری باتیں اُنہیں بتا چکا تو عاقِب اور نسیم مُسکرائے بغیر نہ رہ سکے۔ ہر آدمی کے کُچھ نہ کُچھ دوست تو ہوتے ہی ہیں اور فاروق کو ساحل پر بھیجنے کے لیے یہ بہانہ گھڑ کر عنبر نے بہت عقل مندی اور ذہانت کا ثبوت دیا تھا۔

”ہاں تم کیا رپورٹ لائے لائبریری سے؟“ عنبر نے عاقِب سے پوچھا۔

”میری رپورٹ کے ایک حصّے کا تمہارے اخباروں کی تاریخ سے گہرا تعلّق ہے۔“ عاقِب نے جیب سے ایک کاغذ نکالتے ہوئے کہا۔ ”میں کام کی باتیں اس کاغذ پہ لکھ کر لایا ہوں اور اِن کے مطابق ریاست بہرام پور میں فوجی انقلاب ۲۱ اپریل ۱۹۴۰ء کو آیا تھا۔“

”خوب! تو گویا کسی نیزرف نے کسی نیرون سے ملنے کے لیے جو پیغام چھپوایا ہے، وہ بہرام پور کے انقلاب کی سال گرہ کے دِن چھپوایا گیا ہے!“ عنبر نے کہا۔ ”اور اِس کا یہ مطلب ہے کہ پیغام کے دونوں شخص کسی نہ کسی طرح بہرام پور سے تعلّق رکھتے ہیں۔“

”ان میں ملنگی بابا کا نام تو کہیں بھی نہیں آیا۔“ عاقِب نے کہا۔

عنبر ہونٹ مسلتے ہوئے بولا۔ ”میں مسلسل اِسی بات پر غور کر رہا ہوں۔“

”مجھے تو نیزرف کسی روسی کا نام معلوم ہوتا ہے۔“ نسیم نے کہا۔ ”انھی کے اِس طرح کے نام ہوتے ہیں۔ چیخوف، عظیموف، نیزرف۔“

”لیکن ہم نے تو آج تک شاداب نگر میں کسی روسی کو نہیں دیکھا۔“ عاقِب نے کہا۔

”یُوں لگتا ہے کہ نیزرف ملنگی بابا کا ہی کوئی روپ ہے۔“عنبر نے کہا۔

”مگر وہ تو روسی بالکل بھی نہیں ہیں۔“ عاقِب نے کہا۔

”اُن کا تو بہرام پور کے شاہی خاندان سے تعلّق ہے۔“نسیم نے کہا۔

”کلک!“ یکایک عنبر کو یوں لگا جیسے دو تین چیزیں ہلکی سی آواز کے ساتھ آپس میں جُڑ گئی ہوں۔ وہ چیخ اُٹھا۔ ”میں سمجھ گیا! میں سمجھ گیا!“

”کیا؟“ عاقِب اور نسیم نے حیرت سے پوچھا۔

”اس اشتہار میں اصل نام چھپانے اور پھر اُسے بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔“عنبر نے کہا۔

”وہ کیسے؟“

”وہ اس طرح کہ نیزرف اور نیرون دراصل الٹے نام ہیں۔ اگر ہم نیزرف

کے حروف اُلٹا کر پڑھیں تو کیا نام بنتا ہے؟" عنبر نے کہا۔

"ارے واہ! فرزین!" نسیم نے عنبر کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"اور نیرون کا نورین۔ بہرام پور ریاست کا شاہ نورین، جو انقلاب کے وقت دریا میں کُود گیا تھا۔" عاقِب نے بڑے جوش سے کُرسی سے اُٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں یہ اشتہار ملنگی بابا عرف فرزین کی طرف سے ریاست بہرام پور کے شاہ نورین کو ڈھونڈنے کی ایک کوشش ہے۔" عنبر بولا۔

"تو گویا انگیٹھی کی جالی میں چھپا ہوا وہ حکم نامہ ملنگی بابا ہی کے بارے میں تھا۔" عاقِب نے حیرت سے کہا۔

"اور ملنگی بابا ریاست بہرام پور کے خزانچی ہیں۔" نسیم نے کہا۔ "کمال ہے بھئی!"

"لیکن عنبر!" عاقِب بولا۔ "یہ اشتہار تو ملنگی بابا یعنی فرزین نے اپنے بادشاہ

نورین کو ڈھونڈنے کے لیے دیا ہے۔ اس کا فاروق سے کیا واسطہ ؟ وہ اِس اشتہار کے جواب میں شاداب نگر کیوں آیا؟ اور وہ جنرل اور کریم یہاں کیا کرنے آئے ہیں ؟"

"فاروق نوجوان ہے۔ وہ نورین نہیں ہو سکتا۔" عنبر نے کہا۔ "وہ تو ۱۹۴۰ء میں پیدا بھی نہیں ہوا ہو گا۔۔۔ میں یہی سوچ رہا ہوں کہ وہ آخر ملنگی بابا سے ملنے کیوں آیا ہے ؟"

"ملنگی بابا سے ملنے ؟" نسیم نے کہا۔ "ہم نے یہ فیصلہ کب کیا ہے کہ وہ اِس مقصد سے یہاں آیا ہے۔"

"بھئی، آخر وہ اشتہار پڑھ کر ہی یہاں آیا ہے۔ اور اگر ملنگی بابا کے ڈیرے پر تلاشی لینے یا سبز نشان بنانے سے اس کا کوئی تعلّق ہے تو وہ یقیناً وہاں سے کوئی خاص چیز حاصل کرنا چاہتا ہو گا۔"

"اب ہمارا اگلا قدم کیا ہو گا؟" عاقِب نے پوچھا۔

"ہمارا اگلا قدم؟" عنبر نے کہا۔ "ہم سہ پہر کو بیگم سعید کے ہاں جا رہے ہیں۔ ہم انہیں اِس بات کا قائل کریں گے کہ وہ ایک دِن ہی کے لیے سہی، ملنگی بابا کا مکان خالی کر دیں۔ اِس کے بعد ہم چھُپ کر اُس مکان کی نگرانی کریں گے۔"

"خوب! گویا یہ ایک جال ہو گا۔ جو شخص بھی ملنگی بابا کے مکان میں تلاشی لینے یا اور کچھ کرنے آئے گا۔۔۔۔"

"ہم اُس کا اصل رُوپ دیکھ سکیں گے۔" عنبر نے مُسکراتے ہوئے نسیم کا جُملہ پورا کر دیا۔

جال؟

جب سہ پہر کے وقت عنبر، نسیم اور عاقِب بیگم سعید کے ہاں پہنچے تو وہ اُسی کھڑکی والے کمرے میں بیٹھی ہوئی تھیں اور اُن کے سامنے وہی پُر اسرار قدموں کے میں سبز نشان تھوڑے تھوڑے جل رہے تھے۔ بیگم سعید جس اطمینان اور سکون سے اُن نشانوں کو دیکھ رہی تھیں اُس سے ننّھے سُراغ رسانوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ بیگم سعید نے اُن لوگوں کو دیکھا تو بولیں ”بھئی ایک قسم کا واقعہ روز روز ہونے لگے تو ڈر ختم ہو جاتا ہے۔“

"اب کے تو مجھے بھی ڈر نہیں لگا۔" اظہر نے کہا۔ چند منٹ پہلے ہم باورچی خانے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ وہاں سے فارغ ہو کر کمرے میں آئے تو ہمارے یہ دوست، تین جلتے ہوئے نشان، اِس کمرے میں ہمارا انتظار کر رہے تھے۔" اظہر نے اِس انداز میں بات کی کہ بیگم سعید، عنبر نسیم اور عاقِب بے تحاشہ ہنسنے لگے۔

"اور تم لوگ بھی بیٹھ جاؤ۔" بیگم سعید نے کہا۔ "تمہیں ہمارا جتنا خیال ہے، اس کے لیے میں تمہارا شکریہ ادا نہیں کر سکتی۔"

"شکریے کی ضرورت بھی نہیں۔" عنبر نے کہا۔ "آپ ہمارے ملنگی بابا کی بیٹی ہیں تو ہماری آنٹی ہوئیں۔ کیا ہم پر آپ کا کوئی حق نہیں؟"

"پھر بھی، میں تمہارا خلوص سدا یاد رکھوں گی۔" بیگم سعید نے کہا۔

"اگر آپ کو ہم لوگوں پر اتنا بھروسا ہے تو پھر ہماری چھوٹی سی تجویز مان لیجیے۔" عاقِب نے کہا۔

”ہم چاہتے ہیں کہ آپ ایک دِن ہی کے لیے سہی یا تو ہمارے گھر چلیں، یا شاداب ہوٹل۔“عنبر نے کہا۔

”نہیں، میں بزدل نہیں ہوں۔ اِن نشانات سے ڈر کر اپنے ابّا کا گھر چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“ بیگم سعید نے کہا۔

”اچھا، آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ نے کبھی ریاست بہرام پور کا نام سُنا ہے ؟“ عنبر نے پوچھا۔

”نہیں، کبھی نہیں۔“ بیگم سعید نے کہا۔ ”لیکن کیوں ؟“

”کبھی آپ کے والد صاحب نے بھی آپ سے اس کا ذکر نہیں کیا؟“

”نہیں۔“

”آپ اُنہیں کس نام سے جانتی ہیں ؟“

”اُنہوں نے کبھی خط میں اپنا نام لکھا ہی نہیں اور نہ کبھی امّی نے اس بات کا ذکر کیا۔“

”آپ اُنہیں خط کس پتے پر لکھتی تھیں؟“

”پوسٹ بکس نمبر ۲۱۵ شاداب نگر۔“

”وہی پوسٹ بکس نمبر؟“ نسیم چلّایا۔

”کون سا؟“ بیگم سعید کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا کہ یہ لڑکے اچانک کیا کچھ کہنے لگے ہیں۔

”میں بتاتا ہوں۔“ عنبر نے کہا۔ ”آپ کے والد عُرف ہمارے ملنگی بابا ریاست بہرام پور کی ایک اہم شخص تھے ان کا نام فرزین ہے اور اس ریاست کے خزانچی تھے۔ ریاست کے حکمران شاہ نورین نے خود اُنہیں خزانچی مقرّر کیا تھا۔

”پھر؟“ بیگم سعید کا مُنہ حیرت سے کھُلا ہوا تھا۔

”۱۹۴۰ میں ۲۱ اپریل کو جب ریاست بہرام پور میں فوجی انقلاب آیا تھا تو شاہ نورین نے دریا میں چھلانگ لگادی اور پھر پتا نہ چل سکا کہ وہ ڈوب گئے یا

بچ نکلے۔"

"ہوں!" بیگم سعید نے ایسے کہا جیسے چھوٹے بچّے کوئی دل چسپ کہانی سُنتے وقت ہنکارا بھرتے ہیں۔

"پھر وہاں کے خزانچی فرزین پُراسرار طریقے پر بچ نکلنے میں کام یاب ہو گئے اور یہاں شاداب نگر آ کر ملنگی بابا کے روپ میں آباد ہوئے اور مٹّی چینی کے برتن بنانا سیکھ کر اُس سے اپنی روزی کمانے لگے۔"

"خوب!" بیگم سعید نے کہا۔ "یہ تو تم اس طرح کہہ رہے ہو جیسے تُم خود وہاں موجود تھے۔"

"یہ ساری معلومات ہم نے پرسوں صُبح سے اب تک حاصل کی ہیں۔" عنبر مُسکراتے ہوئے بولا۔

"لیکن ان باتوں سے یہ کہاں نتیجہ نکلا کہ مجھے یہ گھر چھوڑ کر تمہارے ہاں یا شاداب ہوٹل چلے جانا چاہیے؟" بیگم سعید نے پوچھا۔

”میں بتاتا ہوں۔“عنبر نے کہا۔”آپ کے گھر کی تلاشی لینے کی کوشش کی گئی ہے؟“

”ہاں۔“

”آپ کو گھر سے ڈرا کر نکالنے کی مُہم، اب بھی جاری ہے؟“

”ہاں۔“

”اُدھر، ٹاپ ہاؤس میں موجود دو پُراسرار آدمی بھی آپ کے مکان کی نگرانی کر رہے ہیں۔۔۔۔ ہیں نا؟“

”ہاں۔“

”اب ان باتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کچھ لوگ آپ کی غیر موجودگی میں، یعنی آپ کو یہاں سے بھگا کر اِس مکان کی تلاشی لینا چاہتے ہیں۔“

”ہاں، یہ بات سمجھ میں تو آتی ہے۔“بیگم سعید سر ہلا کر بولیں۔

”بس، تو ہم آپ کے مکان کی تلاشی لینے والوں کے لیے ایک جال پھیلانا

چاہتے ہیں۔ آپ شام سے پہلے پہلے مکان چھوڑ کر چلی جائیں۔ بلکہ مکان کے دروازے بھی بند نہ کریں۔ ہم تینوں آپ کے مکان کی نگرانی کریں گے تاکہ جو شخص تلاشی لینے آئے، اُسے پہچان سکیں اور یہ پتا چلا سکیں کہ اُس کی نیّت کیا ہے۔" عنبر نے اُنہیں تفصیل سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گئی۔" بیگم سعید نے کہا۔ "اظہر، چلو ہم اپنا سامان باندھتے ہیں۔"

"آپ ہمارے گھر چلیں، ورنہ میری خالہ ناراض ہو جائیں گی۔" عنبر نے کہا۔

"اچھا، پہلے سامان تو باندھ لیں۔" بیگم سعید بولیں۔

پندرہ بیس منٹ کے اندر اندر بیگم سعید اور اظہر سامان اٹیچی کیس اور بیگ میں بھر کر تیّار ہو گئے۔

"اب ہمیں چلنا چاہیے۔" عنبر نے کہا۔

"چلو۔" بیگم سعید نے کہا۔ "ورنہ شام کا اندھیرا پھیلنے لگے گا اور پھر اُن لوگوں کو یہ دیکھنے میں شاید مشکل پیش آئے کہ ہم مکان چھوڑ کر جا رہے ہیں۔"

وہ مکان سے نکل کے لان میں پہنچے ہی تھے کہ فاروق گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ اُس نے بیگم کی طرف پستول کا رُخ کر کے کہا۔ "آخاہ! چُپکے چُپکے بھاگا جا رہا ہے۔ خبردار کوئی حرکت نہ کرے۔ اور بیگ کا سارا سامان زمین پر گرا دو!"

"کیوں؟" بیگم سعید نے کہا۔ "تُم کون ہو مجھے حکم دینے والے؟"

عین اُسی وقت عنبر آگے بڑھا۔ اُس نے بیگم سعید کے ہاتھ سے اٹیچی کیس لے کر اُس کا تمام سامان زمین پر اُلٹ دیا۔ اظہر نے بھی ایسا ہی کیا۔

"کیا؟ صرف کپڑے اور گھریلو سامان؟" فاروق نے کہا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ کسی اور چیز کی تلاش میں تھا جو اُس کے خیال میں اٹیچی اور بیگ میں بند کر کے لے جائی جا رہی تھی۔ "تمہارا خیال تھا کہ ان میں سے ہیرے

جواہرات نکلیں گے؟" بیگم سعید نے تنک کر پوچھا۔

"کوئی بات نہیں بیگم۔ اس کا مطلب ہے کہ تمہیں وہ مِلے ہی نہیں۔"

فاروق بولا۔

"وہ کون؟" بیگم سعید نے پوچھا۔

"کون نہیں، کُچھ۔" فاروق بولا۔ "بہرحال، اب تم سب میرے ساتھ اندر چلو گے۔" یہ کہہ کر اُس نے پستول سے اُن سب کو اندر چلنے کا اشارہ کیا۔ "میں تمہارے لباس کی تلاشی لوں گا۔"

"یہ تُم میرے جیتے جی نہیں کر سکتے۔" بیگم سعید بولیں۔ "میں یہ بے عزّتی برداشت نہیں کروں گی۔"

"خیر دیکھا جائے گا۔ فی الحال اندر چلو۔" فاروق نے پستول لہرا کے کہا۔ "جلدی کرو۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔"

عنبر نے کہا۔ "بیگم سعید، اِس کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں۔"

اندر جا کر فاروق نے اُن سب کو ایک کمرے میں بند کر دیا اور پھر باہر سے بولا۔ ”پہلے میں مکان کی تلاشی لے لوں۔ اگر مجھے وہ چیز نہ ملی تو اُس کا مطلب ہو گا کہ وہ تم نے اپنے لباس میں چھپائی ہوئی ہے اور تب تمہیں سب کو تلاشی دینا ہو گی!“

”اچھّا، تو پرسوں تم ہی اِس مکان کی تلاشی لے رہے تھے۔“ عنبر چلّایا۔

”ہاں، اور تمہیں میری لات کھا کے بھی یہ جرأت ہوئی کہ میرے پیچھے لگے رہو اور میرے مال پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرو۔“ فاروق نے کہا۔ ”میں نے بہرام پور کی پوری تاریخ پڑھی ہے۔ وہاں کا خزانچی اتنی آسانی سے سارے ہیرے ہضم نہیں کر سکتا۔“

اس کے بعد مکان میں مختلف جگہوں سے، کھڑ بڑ کی آوازیں آتی رہیں۔ فاروق مکان کے ہر کمرے کی تلاشی لے رہا تھا!

”تم نے ٹھیک کیا تھا۔ عنبر ہم ایک جال پھیلائیں گے۔“ عاقِب نے کہا۔

”بس فرق یہ ہوا کہ اُس جال میں فاروق کے بجائے اُلٹے ہم ہی پھنس گئے!“ نسیم نے مُنہ لٹکاتے ہوئے کہا۔

واپسی

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی۔" عاقِب نے چند لمحے بعد کہا۔ وہ سب، کمرے میں بند، خاموش بیٹھے تھے۔

"کیا؟" نسیم نے پوچھا۔ عنبر اپنے دائیں ہاتھ سے نِچلا ہونٹ مسلنے میں مصروف تھا، جس کا مطلب تھا کہ کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔

"یہ کہ فاروق کو آخر کس چیز کی تلاش ہے!" عاقِب نے کہا۔ "یہی تو اب تک ہماری سمجھ میں نہیں آیا۔" بیگم نے کہا۔

”آخر ابّا کے پاس ایسی کون سی دولت ہے جسے وہ تلاش کر رہا ہے؟“

”دولت؟“ عنبر نے اچانک کہا۔ ”میری سمجھ میں ایک بات آتی ہے۔“

”کیا؟“ بیگم سعید نے پوچھا۔ ”ہو سکتا ہے، ملنگی بابا کے پاس واقعی بہرام پور کے ہیرے موجود ہوں۔ بہر حال ان کے پاس کوئی نہ کوئی دولت یا قیمتی چیز ایسی ضرور موجود ہے جو فاروق تلاش کرنا چاہتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ جنزل اور کریم بھی اُسی دولت یا قیمتی چیز کے پیچھے کراچی سے یہاں آئے ہوں۔“

”تو یہ لوگ کراچی سے یہاں آئے ہیں؟“ بیگم سعید نے کہا۔

”ہاں۔“ عنبر بولا ”اور ان لوگوں کا تعلّق بہرام پور ٹریڈنگ کارپوریشن سے ہے۔ کم از کم ان میں سے ایک کا تعلّق ضرور اس سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ جنزل ہو گا۔“

بیگم سعید حیرت سے اُس کا منہ تک رہی تھیں۔ ”اس کا مطلب ہے کہ تم

لوگ چُپکے ہی چُپکے کافی کُچھ کرتے رہے۔۔۔۔۔۔" اُن کا فقرہ بیچ ہی میں رہ گیا کیونکہ اسی لمحے مکان کے اندر سے ایک فائر کی آواز آئی۔

"لگتا ہے، کوئی دوسری پارٹی بھی تلاشی لینے آ گئی ہے اور اُن دونوں میں مُقابلہ ہونے لگا ہے۔" عنبر نے کہا۔

"جنرل اور کریم کے سوا کون ہو سکتا ہے۔" عاقِب بولا۔

"ہاں، ہونا تو اُنہیں ہی چاہیے۔" عنبر نے کہا۔ "اُسی وقت اُن کے کمرے کا دروازہ کھٹاک سے کھُلا۔ دروازے میں موٹا تازہ، گنجا، بھنویں مُنڈا ہوا جنرل کھڑا تھا۔ "چلو! تم سب میرے ساتھ دوسرے کمرے میں آؤ۔"

ان لوگوں کو اُس کے حکم کی پابندی کرنا پڑی کیونکہ اُس کے ہاتھ میں پستول تھا۔ وہ ان سب کو اپنے آگے آگے چلاتا کھڑکی والے کمرے میں لے گیا۔ وہاں فاروق بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ سے خون بہہ رہا تھا، جس پر وہ رومال لپیٹ رہا تھا۔ کریم اس کے پاس بندوق لیے کھڑا تھا۔

"یہ۔۔۔۔یہ سب کیا ہے؟" بیگم سعید نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"کچھ نہیں۔" جنرل نے جواب دیا۔ "ان صاحب نے مجھے پر فائر کرنے کی کوشش کی تھی۔ ظاہر ہے میں اِس کی اجازت نہیں دے سکتا تھا۔ مجھے پہلے فائر کرنا پڑا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں، معمولی زخم ہے۔"

"میرا خیال ہے، ہمیں پولیس کو بلانا چاہیے۔" بیگم سعید نے کہا۔

"پولیس کو ضرور بُلانا اور اِس شخص کو گرفتار بھی کرانا۔" جنرل نے کہا۔ "لیکن ہمارے جانے کے بعد۔"

"کیا مطلب؟"

"مطلب یہ کہ یہ شخص اتنا اہم نہیں ہے کہ اس کی خاطر ہم لوگ اپنا وقت ضائع کریں۔" جنرل نے کہا۔ "مجھے ہیرے اور تاج چاہیے۔"

"ہیرے اور تاج؟" کمرے میں موجود سب لوگ حیرت سے بولے، سوائے کریم اور فاروق کے۔

”ہاں، ریاست بہرام پور کا شاہی تاج اور شاہی خزانے کے ہیرے۔“ جنرل بولا۔ ”اس شخص کو تو وہ ابھی تک نہیں مل سکے۔ تم بولو! کہاں ہیں وہ؟“

”ہم۔۔۔ ہم اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔“ بیگم سعید نے کہا۔

”اور تم چالاک لڑکے؟“

”مجھے بھی اس بارے میں کچھ پتا نہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کس ریاست کی بات کر رہے ہیں، اور ملنگی بابا کا اِس ریاست سے کیا تعلّق ہے۔“ عنبر نے کہا۔ ”میں نے تو ہمیشہ سے ملنگی بابا کو اس قصبے میں برتن وغیرہ بناتے دیکھا ہے۔“

”اور تم ملنگی بابا کی دوست ہو، اور اُس سے ملنے آئی ہو، اور ایسی آئی ہو کہ اُسے غائب ہی کر دیا۔“ جنرل نے بیگم سعید سے کہا۔

”دوست؟“ بیگم سعید کچھ کہنے لگی تھیں کہ عنبر نے آہستہ سے اُن کے

ہاتھ کو چھوا۔ ”میں اُن کی دوست نہیں ہوں اُن کے ایک دوست کی بیٹی ہوں، وہ میرے بزُرگ ہیں اور بزرگوں سے ملنا ہمارے ملک کے قانون میں کوئی جُرم نہیں ہے۔“

”وہ توسب ٹھیک ہے۔“ جنرل چلّایا۔ ”مگر مجھے یا تو فرزین چاہیے، یا شاہی تاج اور ہیرے۔“

”فرزین کون ہے؟“ بیگم سعید نے پوچھا۔

”وہ سر پھرا شخص جس کو تم ملنگی بابا کہتے ہو۔“ جنرل نے کہا۔ ”وہ ہماری ریاست کا سابق خزانچی ہے۔ وہ ریاست کا تاج اور ہیرے لے کر روپوش ہو گیا تھا۔ شکر ہے کہ شاداب نگر سے نکلنے والے ماہنامہ شادابِ وطن میں ایک مضمون چھپا جس میں فرزین کی تصویر تھی۔“

”لیکن آپ فرزین کو نہیں پہچان سکتے تھے۔“ عنبر بولا۔ ”وہ ۲۱ اپریل ۱۹۴۰ء کے بعد سے بہت بدل گئے ہیں۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو، چالاک لڑکے۔“ جنرل نے کہا۔

”آپ نے اُنہیں اس مٹّی چینی کے تمغے سے پہچانا ہو گا جسے وہ اپنے گلے میں پہنے رکھتے ہیں اور جس پر ریاست بہرام پور کا شاہی نشان بنا ہوا ہے۔“

”ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔“ جنرل نے عنبر کو داد دیتے ہوئے کہا۔ ”شاباش! تم بہت چالاک اور ذہین ہو۔ تمھیں بہرام پور ریاست کے انقلاب کی تاریخ تک یاد ہے۔ اب اتنا اور بتا دو کہ ریاست کا شاہی تاج اور ہیرے کہاں ہیں؟“

”آپ جاننا ہی چاہتے ہیں تو سُنیے۔“عنبر نے کہا۔ ”اگرچہ مجھے یقین نہیں آ رہا کہ آپ کو اس قدر کھلے ہوئے راز کا پتا نہیں۔“

”بولو!“ جنرل نے کہا۔ ”اگر مجھے پتا ہوتا تو میں یہاں کیوں آتا؟“

”تو سُنیے۔“ عنبر چلّایا۔ ”ریاست بہرام پور کا شاہی تاج جس پر بہت قیمتی ہیرے لگے ہوئے ہیں، جو خود جیسی شکل کا ہے اور جس کے اُوپر سونے کا بنا

ہوا ایک شاہین بھی لگا ہوا ہے جس کے دو سر ہیں۔ وہ تاج۔۔۔۔" عنبر ایک لمحے کے لیے رُکا۔

"ہاں،ہاں۔" جنرل نے بے صبری سے کہا۔ "بولو!بولو!"

"وہ تاج اس وقت بید نگر کے عجائب گھر میں موجود ہے۔" عنبر نے اطمینان سے کہا۔ "اور شاہی ہیرے جنگی سامان خریدنے پر خرچ ہو چکے ہیں۔"

جنرل کی شکل دیکھنے والی تھی۔ وہ غصّے سے ناچ اُٹھا۔ "بکواس بند کرو! یہ سب کچھ تو میں بھی جانتا ہوں۔"

"جناب، آپ ہی نے تو کہا تھا کہ آپ کچھ نہیں جانتے۔" عنبر نے کہا۔ "ویسے اگر آپ کو میری بات کا یقین نہ آئے تو آپ تازہ چھپی ہوئی کتاب 'شاہی محلّات، تاج اور خزانے' از محمد انور راہی کا صفحہ نمبر ۳۱۹ ملاحظہ فرما لیں، جس میں نہ صرف یہ تمام تفصیلات درج ہیں بلکہ ساتھ شاہی تاج کی خوب صورت سی تصویر بھی دی گئی ہے۔"

”وہ سب کچھ غلط ہے۔“ جنرل دھاڑا۔ ”وہ سب کچھ بکواس ہے۔“

”تو سچ کیا ہے؟“ عنبر نے مزہ لیتے ہوئے کہا۔

”سچ یہ ہے کہ انقلاب کے فوراً بعد فرزین، جو شاہی خزانچی تھا، تاج اور ہیرے اُڑا لے گیا۔“

”اور جو تاج اس وقت بہرام پور کے دارالحکومت بید نگر کے عجائب گھر میں رکھا ہوا ہے، وہ؟“ عنبر نے پوچھا۔

”وہ جعلی ہے۔“ جنرل بولا۔ ”میرا مطلب ہے وہ نقلی ہے۔ اُسے اِس لیے بنوایا گیا تھا کہ لوگ اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھ کر اطمینان کر لیں کہ بادشاہت ختم کر دی گئی ہے؟“

”اوہ!“ عنبر نے کہا۔ ”اور ہیرے جنگی سامان پر خرچ کرنے کا ذکر بھی صحیح نہ تھا؟“

”ہاں۔“ جنرل نے کہا۔ ”اب ہم نقلی ہیرے تو نہیں بنوا سکتے تھے۔ عوام

نے شاہی ہیرے کئی بار دیکھے تھے اور اُن کی نقل تیّار کرانا مشکل تھا۔ اسی لیے یہ کہہ دیا گیا کہ اُنہیں بیچ کر رقم خرچ کر دی گئی۔"

کمرے میں موجود سب لوگ آنکھیں پھاڑے عنبر اور جنرل کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو سُن رہے تھے۔

"اب مجھے سیدھے سیدھے بتا دو کہ تاج اور ہیرے کہاں ہیں؟" جنرل نے کہا۔ "ورنہ اس کمرے سے آج ایک بھی آدمی زندہ بچ کر نہیں جا سکے گا!"

"میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ابّا۔۔۔۔" بیگم سعید نے کچھ بولنا شروع کیا تھا کہ اچانک انہیں خیال آ گیا کہ اُنھوں تو اپنے آپ کو اُن کے دوست کی لڑکی ظاہر کیا تھا۔ وہ فوراً خاموش ہو گئیں۔

"خوب!" جنرل بیگم سعید کی طرف لپکا اور اُنہیں اپنے پاس کھڑا کر کے اُن پر پستول تان لیا۔

"بہت خوب! تو تم فرزین کی بیٹی ہو! مجھے کبھی دوست اور دوست کی بیٹی

والی بات کچھ بچی نہ تھی۔ عنبر! تم فوراً بتا دو کہ شاہی تاج اور خزانہ کہاں ہے ورنہ تمہاری یہ عزیز مہمان ابھی خون میں تڑپنے لگے گی!"

عنبر نے بے بسی سے اپنے چاروں طرف دیکھا اور بولا۔ "لیکن مجھے نہیں پتا۔ میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے پتا نہیں!"

"عنبر! میری طرف دیکھو! میں نے کل تمہیں چھوڑ دیا تھا کیونکہ کل تم سچ بول رہے تھے۔ لیکن آج، اس وقت میں جانتا ہوں کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔"

"میں دس تک گنوں گا؟" جنرل نے بے رحمی سے کہا۔ "اور اس کے بعد گولی چلا دُوں گا۔ اگر تمہیں اپنی مہمان کی جان بچانی ہے تو سچ بول دو! ایک۔۔۔ دو۔۔۔ تین۔" وہ گننے لگا۔ اظہر ایک کونے میں منہ دے کر رونے لگا۔

"چار۔۔۔ پانچ۔۔۔ چھ۔۔۔" جنرل بولا۔

"سات!" پیچھے سے آواز آئی۔ "ہاتھ اُوپر کرلو جنزل دامن، اور پستول نیچے پھینک دو!"

یہ سب کچھ اِتنا غیر متوقّع تھا کہ جنزل نے پستول پھینک دیا اور ہاتھ اوپر اٹھا لیے۔ جنزل کی پشت پر پستول لگائے ملنگی بابا عرف فرزین کھڑا تھا۔

"ملنگی بابا!" عنبر چلّایا۔ "آپ؟"

"یہ ہیں، آپ کے ابّا۔" عاقِب نے کہا۔

"ابّا!" بیگم سعید بھاگ کہ ملنگی بابا کے پاس آئی اور اس سے لپٹ کر رونے لگی۔

"نانا جان!" اظہر بھی اُس سے لپٹ گیا اور خوشی کے مارے رونے لگا۔

نسیم پستول اُٹھا چکا تھا اور عاقِب نے کریم سے بندوق لے لی تھی۔ عنبر نے ملنگی بابا سے پستول سے لیا اور تینوں سُراغ رسانوں نے اُن کا رُخ ایک ایک آدمی کی طرف کر دیا۔

”ابّا! ابّا! آپ کہاں چلے گئے تھے؟“ بیگم سعید نے روتے ہوئے کہا۔ ”میں نے اِن دو تین دِنوں میں بہت دُکھ اُٹھائے، بہت دُکھ اُٹھائے!“

”بس، اب دُکھ ختم ہو چکے ہیں!“ ملنگی بابا نے کہا اور خود بھی خوشی کے مارے رونے لگا۔

تاج اور ہیرے

"میں سائے کی طرح جنرل دامن کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ یہ تُم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔" ملنگی بابا نے کہا۔

"سائے کی طرح؟" جنرل حیرت سے بولا۔ "تم تو غائب تھے۔"

"ہاں، میں ٹاپ ہاؤس کی ایک بند گیلری میں رہتا رہا تا کہ تمہاری ایک ایک حرکت پر نظر رکھوں۔"

"تو تُم نے بھی اُس صُبح مجھے دیکھ لیا تھا؟" جنرل نے کہا۔

”ہاں، اور اِسی لیے تم سے پہلے میں وہاں جا کے چھُپ گیا تھا۔“ ملنگی بابا نے بتایا۔

”میں وہ تاج اور ہیرے لینے آیا ہوں۔“ جنرل نے کہا۔ ”تمہاری میری کوئی لڑائی نہیں۔ میں واپس چلا جاؤں گا۔

”میں وہ تمھیں نہیں دے سکتا۔“ ملنگی بابا نے کہا۔ ”میں نے قسم کھائی تھی کہ شاہ نورین کی اُن چیزوں کی زندگی بھر حفاظت کروں گا۔“

”مگر شاہ نورین تو مر چکا ہے۔“ جنرل بولا۔ ”وہ تو اُسی دِن مر گیا تھا، ڈوب کر!“

”انہیں تیرنا آتا تھا۔“ ملنگی بابا نے کہا۔

”تیرنے والے ڈوب بھی جاتے ہیں۔“ جنرل نے اپنی جیب سے بہت ساری تصویریں نکالیں اور اُن میں ایک تصویر ملنگی بابا کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ”یقین نہ آئے تو یہ دیکھ لو!“

ملنگی بابا نے تصویر رکھی اور پھر اِسے واپس کر کے اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ آنسو پینے کی کوشش کر رہا ہو۔ "میرا بادشاہ! میرا پیارا بادشاہ!" وہ بُڑبُڑایا۔ "تُو مر گیا تھا اور میں تیرا انتظار ہی کرتا رہا!"

"ہاں، تم انتظار کرتے رہے۔" جنرل نے کہا۔ "بہرحال اب وہ تاج اور ہیرے ریاست کے عوام کی ملکیّت ہیں۔ ہمیں واپس کر دو۔ ہم بید نگر کے عجائب گھر میں اصلی تاج رکھیں گے اور ہیرے عوام کی بھلائی پر خرچ کریں گے۔"

"تم کس حیثیت میں وہ ہیرے مانگ رہے ہو؟" ملنگی بابا نے کہا۔ "اب تو تم جنرل نہیں ہو گے۔ ریٹائر ہو چکے ہو گے۔" جنرل نے اپنی جیب سے ایک شناختی کارڈ نکال کر ملنگی بابا کو دِکھایا۔ "اب میں بہرام پور کی خفیہ پولیس کا اعلیٰ افسر ہوں اور اِسی حیثیت سے یہ تاج اور ہیرے لینے آیا ہوں۔ مجھے اُمّید ہے کہ تم اُنہیں واپس کر دو گے۔"

"جب شاہ نورین ہی نہ رہا تو تاج اور ہیروں کا کیا فائدہ!" ملنگی بابا نے کہا۔

"میں لاتا ہوں۔"

"ٹھہریے، بابا!" عنبر نے کہا۔ "میں لاتا ہوں۔"

"تمھیں پتا ہے؟" ملنگی بابا نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں۔" عنبر نے کہا۔ "ریاست بہرام پور کا شاہی تاج اور ہیرے لان میں لگے ہوئے اُس بڑے گُل دان میں ہیں جس پر ایک سر والا شاہین بنا ہوا ہے۔"

"لیکن ہم تو ان سب گُل دانوں کو دیکھ چکے ہیں۔" نسیم نے کہا۔ "اور اُسے تو خاص طور پر دیکھا تھا۔"

"لیکن ہم نے اُسے بائیں طرف کو گھُما کے نہیں دیکھا تھا۔ اس طرح وہ کھُل جائے گا اور اُس کے دو حصّے ہو جائیں گے۔ پچھلے حصّے میں تاج اور ہیرے ہوں گے۔" عنبر نے کہا۔

وہ یہ باتیں کر رہے تھے کہ اچانک فاروق نے عاقِب کے ہاتھوں سے پستول

چھین لیا اور اُس کو دبوچ کر چلّایا "خبر دار کوئی آدمی اپنی جگہ سے حرکت نہ کرے۔ ہتھیار پھینک دو!" نسیم اور عنبر نے ہتھیار پھینک دیے اور چُپ چاپ کھڑے ہو گئے۔

"عنبر! تم لان میں جاؤ اور تین چار منٹ کے اندر اندر تاج اور ہیرے لے کر آ جاؤ، ورنہ یہ سارا پستول میں خالی کر دوں گا!" فاروق نے کہا۔

عنبر کو گئے مشکل سے ایک ڈیڑھ منٹ گزرا ہو گا کہ کمرے کی کھڑکی پر ہلکے سے دستک ہوئی اور پھر بھاری سی آواز آئی! "فاروق میں انور ہوں۔ کھڑکی کھولو۔"

فاروق فوراً مُڑا اور اس نے کھڑکی پر فائر کر دیا۔ عین اُسی وقت عاقِب فاروق کی ٹانگ سے چمٹ گیا اور اُسے نیچے گرا دیا۔ نسیم نے جھپٹ کر اُس کا پستول چھین لیا۔ اُنھوں نے اُسے قابو میں کیا ہی تھا کہ عنبر کمرے میں مُسکراتا ہوا واپس آ گیا۔ "وہ خالی ہاتھ تھا۔"

"آداب عرض ہے، فاروق صاحب!" وہ اُسی بھاری آواز میں بولا۔ "فائر

کرنے کا بہت بہت شکریہ!"

فاروق دانت پیس کر بولا۔ "تو یہ تُم تھے!"

"جی، اور ٹیلے فون پر بھی میں ہی تھا۔" عنبر نے کہا۔ "تم اپنے سچ مُچ کے دوست انور سے یہ پوچھتے پھرنا۔ پہلے تو تم جیل کی ہوا کھاؤ گے۔"

"کیوں؟"

"وجہ تم ہی بتاؤ گے۔" عنبر نے آگے بڑھ کر کہا۔ "یہ بتاؤ کہ نئے نئے کپڑے اور سینکڑوں روپے کی سینٹ کی شیشی تم نے کہاں سے لی؟"

"بازار سے اور کہاں سے؟" فاروق بولا۔

"ہاں، ٹھیک ہے۔ لیکن تمہارے ایک اٹیچی کیس کی جیب میں کسی حبیب الرحمان کا کریڈٹ کارڈ بھی تھا۔"

"تُم۔۔۔ تُم۔۔۔" فاروق بُڑ بُڑایا۔ "تمہیں کیسے پتا چلا؟"

"میں نے تمہارے کمرے کی اُس وقت تلاشی لی تھی، جب میں نے تمہیں

فون کیا تھا۔" عنبر بولا۔

"مگر تم نے انور کا نام کہاں سے سُنا؟"

"میں نے؟" عنبر حیرت سے بولا۔ "وہ تو تُم نے خود ہی بتایا تھا۔ میں نے تو صرف یہ کہا تھا کہ تم خود پہچان لو کہ میں کون ہوں۔ تم چور ہو۔ یہاں ہیروں کا سُراغ لگانے کے لیے آنے سے پہلے تم لاہور گئے اور وہاں کسی امیر آدمی حبیب الرحمان کا کریڈٹ کارڈ چُرا کر اُس کی مدد سے شاپنگ کرتے پھرے اور اگلے دِن یہاں آ گئے۔ تم جانتے تھے کہ لاہور میں رہے تو پکڑے جاؤ گے۔ اس کے علاوہ ایک اور جرم بھی ہے تمھارا۔ ملنگی بابا کے مکان میں ناجائز طور پر داخل ہو کر بیگم سعید کو ڈراتے رہے ہو۔ عاقِب! باہر اِس کی کار کھڑی ہے۔ اُس کی تلاشی لو۔ تمھیں اِس میں سپرٹ کی ایک شیشی ملے گی، جس میں کوئی چیز گھول کر آگ کا رنگ سبز کیا جاتا تھا۔ اور ہاں ایک پاؤں کا نشان بھی ہو گا، سٹینسل کی شکل میں۔"

شیشی مل گئی اور سٹینسل بھی مل گیا، جس سے فاروق پاؤں کا نشان بنا کر اُس

جگہ پٹرول یا سپرٹ چھڑکتا تھا اور اُسے آگ لگاتا تھا۔ پولیس کو ٹیلے فون کر دیا گیا۔

جنرل نے کہا۔ ”پولیس کے آنے سے پہلے پہلے مجھے تاج اور ہیرے دے دو۔ میں نہیں چاہتا کہ ہماری ریاست کے عوام یہ قصّہ اخباروں میں پڑھیں۔“ عنبر چُپ چاپ اُٹھا اور تاج اور ہیرے لا کے جنرل کے حوالے کر دیے۔

پولیس فاروق کو گرفتار کر کے لے جانے لگی تو عنبر نے کہا۔ ”فاروق صاحب ایک بات تو بتاتے جایئے۔ آپ مکان کے اندر کیسے آ جایا کرتے تھے؟“

فاروق نے چھت کی طرف دیکھا اور جانے لگا۔

کمرے کی چھت کے بیچوں بیچ ایک پرانی طرز کا روشن دان تھا اور اُس کا ایک شیشہ ٹوٹا ہوا تھا!